''شیشوں پہ Ingredients لکھے تھے یار۔میں نے پڑھ لئے تھے۔''

''مگر سر آپ کا اعتماد یہ بتا رہا تھا کہ آپ ان خوشبوؤں کو پہچانتے تھے۔''

''اس میں کون سی راکٹ سائینس تھی؟ ہر کوئی پہچانتا ہے خوشبوؤں کو۔'' وہ بے پرواہی بھری خفگی سے بولتا تیز تیز چل رہا تھا۔ راہداری میں آگے بھی لوگ تھے تو چہرے پہ جبری مسکراہٹ سجالی تھی۔''مگر آئیندہ یہ خطرہ نہیں لینا۔''

تالیہ خود ہی خود مسکراتی ہوئی چل رہی تھی۔اشعر ابھی تک حیران تھا البتہ فاتح نے کنکھیوں سے اسے دیکھا تو ماتھے پہ بل پڑے۔

''تم اتنی خوش کیوں ہو؟''

بنداہارا کی بیٹی نے شانے اچکائے۔

''وان فاتح کو چائے بناتے دیکھنا ایک ایسا منظر ہے جو روز روز دیکھنے کو نہیں ملا کرتا۔''

اسے ہنسی آرہی تھی اور وہ بدقت اسے قابو کیے ہوئے تھی۔چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

فاتح نے کچھ سخت سا بڑبڑا کے اسے ''تمیز سے چلنے'' کا کہا اور آگے چلتا گیا مگر تالیہ کے لبوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے اسی لئے چائے کے اسٹال کا انتخاب کیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی۔

وہ ''چائے خانے'' میں لگے مجمع کو ''سنبھال'' سکتا تھا۔

☆......☆......☆

شام ہوئی تو بی این کے آفس کی شیشے کی کھڑکیوں کے باہر چھاتا اندھیرا واضح دکھائی دینے لگا۔آفس کے سارے ہالز میں سفید بتیاں جل اٹھیں۔اکثر لوگ چھٹی کر کے گھر جانے کی تیاری کرنے لگے۔البتہ کچھ ذمہ دار افراد اپنے آفسز میں کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ایسا ہی گلاس والز کا ایک بڑا سا آفس تھا جس میں ممبر پارلیمنٹ ادیب سوت اپنی پاور چیئر پہ بیٹھا کام کرتا دکھائی دے رہا تھا۔اس کا آفس اس قطار میں تھا جہاں سارے آفسز شیشے کی دیواروں سے بنائے گئے تھے۔سامنے راہداری تھی اور اس کے پار اسٹافرز کے کیبن بنے تھے۔

دروازہ کھلا اور تالیہ اندر داخل ہوئی تو ادیب نے سر اٹھایا' پھر مسکرایا اور عینک اتار کے رکھی۔

''آئیں' تالیہ۔میں آپ ہی کا منتظر تھا۔آپ نے ایمان کے کیس کو بہت اچھے سے ہینڈل کیا۔''

وہ مسکرادی اور سامنے آکھڑی ہوئی۔لمبی سیاہ اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ پہنے' وہ سر پہ سفید ہیٹ ترچھا جمائے ہوئے تھی۔

''آپ نے پوچھا تھا کہ اس نے آپ ہی کے ساتھ یہ کیوں کیا تو میرے پاس آپ کا جواب موجود ہے۔''

''اوہ گریٹ۔'' ادیب نے لیپ ٹاپ پرے دھکیلا اور دونوں ہاتھوں کو تھکاوٹ سے دباتے ٹیک لگائی۔''تو بتائیے....اس لڑکی نے مجھ پہ ہی الزام کیوں لگایا۔''

ہیٹ والی لڑکی چند لمحے مسکرا کے اسے دیکھتی رہی۔ پھر گردن دائیں بائیں گھمائی اور دوبارہ اسے دیکھا۔

''یہاں اور کوئی نہیں ہے' ادیب صاحب۔ آپ اپنی یہ آسکر وننگ اداکاری ترک کیوں نہیں کر دیتے؟''

نیم روشن آفس میں لمحے بھر کو سناٹا چھا گیا۔ پھر ادیب کے ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔ ''ایکسکیوزمی؟'' اچھنبے سے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔

''اوہ پلیز...'' اس نے بےزاری سے سر جھٹکا۔ ''ہم دونوں کو معلوم ہے اور پہلے دن سے معلوم ہے کہ ایمان سچ کہہ رہی تھی۔ آپ واقعی اس کو نازیبا ای میلز بھیجا کرتے تھے۔''

ادیب چند لمحے اس کو دلچسپی سے دیکھتا رہا' پھر مسکرایا۔

''چے تالیہ آپ کو شاید خود بھی نہیں معلوم کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔ وہ بالکل بھی پریشان نہیں تھا۔

''ہم دونوں کو معلوم ہے کہ ہم سب پہلے دن سے ہی اداکاری کر رہے ہیں۔'' وہ طنزیہ مسکرا کے بتانے لگی۔ ''بلکہ صرف میں نہیں' وان فاتح بھی جانتے ہیں کہ آپ ایک ایسے predator ہیں جو ہر دوسری لڑکی کو ہراساں کرتا ہے۔ رہی آپ کی بیوی تو وہ بھی آپ کے سارے افیئرز سے واقف ہے کیونکہ آپ دونوں ایک دوسرے سے سچ بولتے ہیں مگر وہ ٹھہری سیاسی بیوی۔ طاقت کے کھیل کے لئے بھرم رکھنے کی عادی ہے۔ اگر کسی کو نہیں معلوم تو پبلک کو نہیں معلوم کہ ایمان سچ کہہ رہی تھی۔''

''بہت خوبصورت الزامات لگا رہی ہیں آپ مجھ پہ۔'' ادیب محظوظ انداز میں مسکرا کے بولا۔ وہ ٹیک لگائے کرسی کو دائیں بائیں جھلا بھی رہا تھا۔ ''مگر ایک جھول ہے۔''

''اچھا جناب۔ وہ کیا؟'' تالیہ نے ہیٹ اتار کے میز پہ رکھا۔ وہ بدستور کھڑی تھی۔

''اگر میں نے واقعی ایمان کو نازیبا ای میلز بھیجی تھیں تو اس نے وہ پبلش کیوں نہیں کیں؟''

''کیونکہ اگر بات ای میلز پہ آتی تو فارنزکس تک چلی جاتی اور اس کو معلوم تھا کہ پھر اس کی آپ کو بھیجی ای میلز بھی سامنے آئیں گی اور وہ رسوا ہو جائے گی۔ کیونکہ میں پہلے دن سے کہتی آئی ہوں کہ ایمان کو کسی نے ہراس نہیں کیا۔ اس نے منیر الکلام کو ہراس کیا مگر خود.... ایمان کو.... (جھکی اور چبا چبا کے بولی).... کسی نے.... ہراس نہیں کیا۔ وہ اسی لئے آپ کی نازیبا ای میلز نہیں دکھا سکی کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان جو تھا وہ دونوں کی رضامندی سے تھا اور اسے ''افیئر'' کہتے ہیں۔''

''بہت خوب۔'' ادیب نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ ''وہ سچ بول رہی تھی پھر بھی آپ پورا ہفتہ میڈیا کے سامنے میرے کردار کی گواہی دیتی رہیں۔ آپ نے ایمان کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟''

''کیونکہ میں سیاسی ورکر ہوں ادیب صاحب اور سیاست اسی گند کا تو نام ہے۔ میں نے آپ کے کردار کی گواہی کہیں بھی نہیں

دی۔میں نے تو صرف ایک con کھیلا ہے۔میں آپ سے توجہ ہٹانے کے لیے منیر الکلام کو لائم لائٹ میں لے آئی اور ایمان دفاع پہ اتر آئی۔ لوگ ایمان اور ادیب کو بھول کے ایمان اور منیر کی باتیں کر رہے ہیں۔آپ پارٹی لیڈر ہیں اور آپ کو بچانا ساری پارٹی کی مجبوری تھی۔"

"آپ پہلے کہاں تھیں؟اتنی دیر سے کیوں ملیں آپ اس آفس کو؟"

"بس....ذرا آپ کی کولیگ نے مسکرا کے بات کی تو آپ اتر آئے نا اپنے انداز پہ۔" وہ ابھی تک استہزائیہ مسکرا رہی تھی۔"یونو ادیب صاحب' میں نے ایمان کا ساتھ اس لئے نہیں دیا کیونکہ وہ اس مضبوط کردار کی نہیں تھی جس کی حامل لڑکیاں یہاں جاب کرتی ہیں۔ آپ نے اس کو نازیبا ای میلز بھیجیں' اور وہ پھسلتی چلی گئی۔ ہراس منٹ خاموشی سے برداشت کرنا بزدلی ہے۔اس کے خلاف بول اٹھنا بہادری ہے۔اور اس پہ راضی ہو جانا بد چلنی ہے۔ایمان نے تیسرا راستہ چنا اس لئے ہم نے وہی کیا جو اپنی پارٹی کے غداروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ دوبارہ یہ کام اس آفس میں کر سکیں گے۔"

"یونو پیاری لڑکی....تمہاری باتیں بہت اچھی ہیں مگر...."اس نے معصومیت سے تھوڑی کھجائی۔"تم کسی بھی صورت میں میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔کیونکہ تم نے خود اسٹیج پہ چڑھ کے میرے حق میں اتنی تقریریں کی ہیں کہ ملائیشیاء میں کوئی یقین نہیں کرے گا کہ میں کسی کو ہراس کر سکتا ہوں۔تم بھی اخلاقی طور پہ میرے خلاف نہیں بول سکتیں اور رہی ہراس منٹ...."

وہ میز کے عقب سے نکل کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔"تو بی بی ہراس منٹ کبھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ایک عورت کے اٹھ کے الزام لگا دینے سے دنیا مرد کو بد کردار نہیں مان لیتی۔"

تالیہ نے مسکراتے ہوئے گردن کو نفی میں دائیں بائیں جنبش دی۔

"درست کہا۔ایک عورت کا الزام کچھ ثابت نہیں کرتا۔لیکن ...." وہ مسکراتی ہوئی واپس دروازے تک آئی' شیشے کی دیوار کو زور سے بجایا جیسے کسی کو اشارہ دیا ہو اور پھر مڑ کے ادیب کو دیکھا۔"لیکن اگر عورت 'ایک' نہ ہو تو؟"

ادیب کے ابرو اچنبھے سے بھنچے۔اس نے چونک کے تالیہ کے عقب میں دیکھا۔

شیشے کی دیوار کے پار بنے کیبن سے ایک دم چھ سات لڑکیاں اٹھ اٹھ کے آ کھڑی ہوئی تھیں۔ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے وہ ایک زنجیر کی طرح راہداری میں کھڑی تھیں اور ادیب کو دیکھ رہی تھیں۔عینک والی فریدہ بھی سنجیدہ چہرہ بنائے ان کے ساتھ تھی۔

ادیب بن سوت ایک دم سیدھا ہوا۔چونک کے تالیہ کو دیکھا۔

"ہراس منٹ کو صرف ایک چیز ثابت کرتی ہے' ادیب صاحب۔اور وہ ہے عورتوں کا ایک سے زیادہ ہونا۔" ہیٹ والی لڑکی مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

"تصور کریں اگر ابھی اسی وقت یہ لڑکیاں ان کاغذات کو اپنے آفس میں ڈورز پہ چسپاں کر دیں...." تالیہ نے اپنی زنبیل سے زرد

کارڈز کا ایک بنڈل نکالا اور بنڈل کو وہیں چھوڑے ایک کارڈ لیے باہر آئی۔ (بے احتیاطی سے بنڈل پھسلا اور سارے کارڈز فرش پہ بکھر گئے۔) راہداری میں کھڑے ہو کے اس نے کارڈ دیوار پہ چسپاں کی یوں کہ باہر کھڑی لڑکیاں نہیں دیکھ سکتی تھیں کہ کارڈ پہ کیا لکھا تھا مگر ادیب کو صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کی چبھتی نظریں اس کارڈ پہ جمی تھیں جس پہ بڑا بڑا Me Too لکھا تھا۔

پیچھے کھڑی لڑکیاں ہنوز ادیب کو دیکھ رہی تھیں۔ جب تالیہ نے دیکھ لیا کہ وہ کارڈ دیکھ چکا ہے تو اس نے کارڈ اتار لیا اور واپس آفس کے اندر آئی اور دروازے بند کر دیے۔ شیشے کے ساؤنڈ پروف دروازوں سے آواز باہر نہیں جاتی تھی۔

''تصور کریں کہ اگر یہ سات لڑکیاں MeToo# کے ہیش ٹیگ سے ٹویٹ کریں اور دعویٰ کریں کہ آپ نے ان کو بھی ہراس کیا ہے.....تو؟''

ادیب کے ماتھے پہ بل پڑ چکے تھے۔

''میں نے ان میں سے ایک بھی لڑکی کو کبھی کچھ نہیں کہا۔'' وہ سچ کہہ رہا تھا۔ وہ بہت چناؤ سے شکار کیا کرتا تھا۔

''کیا آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں؟ مگر اوہ نہیں... ہراس منٹ کا تو کوئی ثبوت ہی نہیں ہوتا۔''

''تمہیں کیا چاہیے؟'' وہ اب کے تالیہ کو دیکھ کے چبا چبا کے بولا تو تالیہ نے ہاتھ کو جھلانے والے انداز میں اشارہ کیا جیسے شہزادی کہتی تھی، تخلیہ....اور لڑکیاں اس کا اشارہ دیکھ کے پلٹ گئیں۔

''وان فاتح آپ کا اپنے آفس میں انتظار کر رہے ہیں۔ جائیے۔'' راستہ چھوڑ دیا۔ ادیب اسے گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔ لڑکیوں کے کیبن کے پاس سے وہ بہت تیزی سے گزرا تھا۔ نظر تک نہ ملائی تھی۔

اس کے جاتے ہی تالیہ نے جلدی سے سارے پلے کارڈز اکٹھے کیے۔ لڑکیاں تب تک باہر آ چکی تھیں۔

''کیا کہا ادیب صاحب نے؟'' فریدہ نے اشتیاق سے پوچھا۔ ''وہ ہماری تنخواہ بڑھانے کے لئے ایچ آر میں بات کریں گے؟''

''ہاں ہاں۔'' وہ سنبھل کے مسکرائی۔ ''وہ فاتح صاحب سے معاملہ ڈسکس کرنے گئے ہیں مگر کہہ رہے تھے کہ یہ مشکل ہے۔ میں نے کہا کہ (کاغذ سمیٹ کے اٹھ گئی) لڑکیاں بہت خفا ہیں۔ تو راضی ہو گئے۔ تم لوگ ان کو سمائیل نہ دینا۔ بس ناراض رہنا۔ ان کے لئے یہ پریشر کافی ہوگا۔''

''اچھا اچھا۔'' فریدہ مطمئن ہو گئی۔ باقی لڑکیاں بھی پر جوش تھیں۔

''یہ پلے کارڈز کس چیز کے ہیں۔'' ایک نے پوچھ لیا۔

''یہ کچھ خاص نہیں۔ پرنٹر نے ایکسٹرا چھپوا دیے۔ میں ان کو دیوار پہ لگا کے بس دکھا رہی تھی۔'' اس سے پہلے کہ اس کا Con کھل جائے وہ کاغذات سنبھالتی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

وان فاتح کے آفس میں بے چین سا بیٹھا ادیب آگے ہو کے کہہ رہا تھا۔

''فاتح.... یہ چیزیں ہوتی رہتی ہیں۔ میں اب خیال رکھوں گا۔ تم مجھے جانتے ہو۔''

''میں تمہیں بہت اچھے طریقے سے جانتا ہوں اور میں نے پہلے دن سے تمہاری عزت رکھنی چاہی مگر میری چیف آف اسٹاف بھی تمہیں جان ہی گئی۔ اب میں کچھ نہیں کرسکتا۔'' وہ ٹیک لگائے بیٹھا سختی سے کہہ رہا تھا۔ چہرہ سنجیدہ اور برہم تھا۔ ''تم اس وقت اس پوزیشن میں نہیں ہو کہ میری کیمپئین چھوڑ کے حاکمی کا کیمپ جوائین کرلو۔ وہاں تمہیں کوئی نہیں لے گا۔''

''میں کہہ رہا ہوں نا اب ایسا نہیں ہوگا۔''

''بس کرو ادیب!'' اس نے سختی سے ہاتھ بلند کیا تو وہ چپ ہوگیا۔ فاتح آگے ہوا اور غصے سے بولا۔

''تمہیں شرمندگی تک نہیں ہے.... ذرا سا بھی پچھتاوا نہیں ہے۔ میں نے آج صبح اپنے ووٹرز کے درمیان بیٹھ کے وعدہ کیا ہے کہ جب میں پاور میں آؤں گا تو پارٹی میں کوئی ہراس کرنے والا نہیں بچے گا۔''

''وہ ٹھیک ہے مگر ہم بعد میں اس کے بارے میں کچھ کرسکتے ہیں۔ تم چیئر مین بن کے قانون بنانا اور ہم.....''

''بعد میں؟ بعد میں کیوں؟'' وہ سختی سے بولا۔ ''ابھی کیوں نہیں؟ کوئی بھی کام کرنے کا بہترین وقت ''ابھی'' ہوتا ہے اور میں آج سے اس منقولے پہ عمل کرنے جارہا ہوں۔ (ادیب کچھ کہنے لگا) درمیان میں مت بولو۔ میری بات سنو۔'' جھڑک کے اسے خاموش کرایا۔

''بریفنگ روم میں رپورٹرز تمہارا انتظار کررہے ہیں۔ تم وہاں جاؤ گے اور کہو گے کہ تم اپنے بیٹے کے علاج کے لئے ریٹائرمنٹ لے رہے ہو۔ تم ملک سے باہر جارہے ہو' واٹ ایور.... جو جھوٹ بھی تم گھڑنا چاہو گھڑ لو... مگر ادیب بن سوت.... تم کچھ عرصے کے لئے مجھے اس آفس میں نظر نہیں آؤ گے۔''

آفس میں سناٹا چھا گیا۔ ادیب نے لب ایک دوسرے میں پیوست کردیے۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

''اس دوران تم اپنی فیملی پہ توجہ دو اور بہتر شوہر بننے کی کوشش کرو۔ اب جاؤ۔ وہ تمہارا انتظار کررہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ آل رائیٹ۔'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کے بے بسی بھرے غصے سے کہا۔ ''فائن۔ میں چلا جاؤں گا اس آفس سے۔ مگر تمہیں اتنا Self-righteous بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو الزام آج تم مجھ پہ لگا رہے ہو' یہ تم پہ واپس پلٹ سکتا ہے۔''

''ایکسکیوزمی؟'' اس نے اچنبھے سے ابرو اچکائے۔ ادیب نے کھڑے ہو کے اپنے کوٹ کی شکنیں برابر کیں' ٹائی کی ناٹ کسی اور پھر گردن کڑا کے تلخی سے بولا۔

''تمہارے اور تمہاری پریٹی چیف آف اسٹاف کے درمیان جو چل رہا ہے' وہ مجھ سمیت بہت سے لوگوں کو نظر آرہا ہے۔''

''اچھا۔ مجھے تو آج تک نہیں نظر آیا۔'' اگر فاتح کو افسوس ہوا بھی تھا تو بظاہر اطمینان سے کہا۔

''وان فاتح میں دور سے دیکھ کے عورت اور مرد کے درمیان چلتی ٹینشن بھانپ لیتا ہوں۔مگر خیر...میں ہراسر' پریڈیٹر چلا جاتا ہوں اس آفس سے مگر تم لوگ...تم لوگ اپنی 'پارٹی' جاری رکھو۔فائن!'' زور سے میز کے کنارے پہ ہاتھ مارا اور مڑ کے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

چوکھٹ پہ کھڑے اشعر نے اسے جاتے دیکھا اور پھر اندر آیا۔

''یہ اتنا غصے میں کیوں تھا؟''

''اسے وہ بتایا جو صبح ہم نے ڈیسائیڈ کیا تھا۔تو اس نے آخر میں وہی تلخی دکھائی جو ہر جاب سے نکالے جانے والا دکھاتا ہے۔''

''اوہ اچھا۔بڑا خبیث آدمی ہے یہ ویسے۔'' اشعر ہنستے ہوئے کرسی کھینچ کے بیٹھا۔''میں حیران ہوں کہ آفس والوں کو اس کے کرتوت کیوں نہیں پتہ تھے ابھی تک۔''

فاتح بس مسکرا دیا اور سامنے پڑی فائل کھول لی۔چند لمحے وہ دونوں یونہی بیٹھے رہے۔آفس میں خاموشی چھائی رہی۔پھر فاتح نے نظریں اٹھا کے اشعر کو دیکھا جو سوچ میں ڈوبا کھڑکی کے بلائینڈز کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم واپس آ گئے ہو'ایش۔''

اشعر چونکا' پھر مسکرا دیا۔''یہی چیزوں کی درست ترتیب تھی۔میں بھی خوش ہوں کہ میں نے چے تالیہ کی بات مان لی۔''

فاتح نے مسکرا کے عینک لگائی اور فائل کے صفحے پلٹانے لگا۔اشعر کچھ دیر بیٹھا الفاظ تولتا رہا پھر لہجے کو سرسری سا بنایا۔''چے تالیہ واقعی شادی شدہ ہیں کیا؟''

فاتح نے عینک کے اوپر سے نظر اٹھا کے غور سے اسے دیکھا۔''کہتی تو وہ یہی ہے۔''

''ہوں۔'' اشعر نے نظریں جھکا دیں۔وہ جیسے سوچ میں تھا۔فاتح غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ایش....تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے؟''

اشعر چونکا۔پھر سنبھل کے مسکرایا۔''یونہی پوچھ رہا تھا کیونکہ ہم ایک ٹیم ہیں تو.....''

''اور تم اس کے لئے فیلنگز رکھنے لگے ہو۔'' اس کی گہری آنکھیں اشعر پہ جمی تھیں۔

وہ لمحے بھر کو چپ ہوا' پھر بے بسی سے شانے اچکائے۔''مجھے نہیں معلوم۔''

فاتح نے عینک اتاری اور فائل بند کر کے اس پہ رکھی۔''عصرہ کو ہمیشہ سے لگتا تھا تم دونوں کے درمیان کچھ ہے یا ہونے جا رہا ہے۔''

''ہمارے درمیان بہت ساری دفتری سیاست آ گئی ہے' آبنگ۔''

وہ خاموشی سے لب کاٹتا رہا۔کیا کہتا کہ جس دن وہ پہلی دفعہ سرخ لباس میں عصرہ کی گیلری میں داخل ہوئی تھی اور اس نے اسے

اوپر سے آتے دیکھا تھا' اس دن سے اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکا تھا۔

''تمہاری بہن اس سب سے بہت خوش ہوتی اگر تاشہ شادی شدہ نہ ہوتی۔ مگر....'' فاتح نے وقفہ دیا تو اشعر کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ آگے ہوا۔

''مگر کیا؟''

''تاشہ نے مجھے اس روز کہا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے علیحدگی کا سوچ رہی ہے۔''

اشعر محمود کا سانس رک گیا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہ خبر اسے ایسے بے چین کر دے گی۔

''واقعی؟'' وہ بے یقین تھا۔

''دیکھو جب تک وہ علیحدہ نہیں ہوتی' تم اس سے کوئی امید نہیں لگا سکتے' لیکن تب تک تم اپنے اور اس کے درمیان سے جھوٹ اور سیاست کو نکال تو سکتے ہو۔''

اشعر کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ وہ مایوس نظر آنے لگا۔ ''اب شاید دیر ہو گئی ہے۔''

''سچ بولنے کے لئے کبھی دیر نہیں ہوتی۔ صرف سچائی ہی دو لوگوں کے رشتے کو مضبوط کرتی ہے۔ تم اگر اس کے لئے مخلص ہو تو پہلے اپنے اور اس کے درمیان سچائی لاؤ تاکہ تم اسے کھو نہ دو۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

اشعر نے تذبذب سے اسے دیکھا۔ ''آپ کیوں سمجھتے ہیں کہ مجھے اسے نہیں کھونا چاہیے۔''

وان فاتح سادگی سے مسکرایا۔

''کیونکہ تالیہ مراد جیسی لڑکی سے آپ زندگی میں ایک بار ہی ملتے ہیں۔''

وہ ایک فقرہ اشعر محمود کے سارے فیصلے آسان کرتا گیا۔ وہ ایک دم اٹھا اور تیزی سے باہر کو لپکا۔

اسے تالیہ سے بات کرنی تھی۔

وہ اپنی سیٹ پہ نہیں تھی۔ وہ دیوانہ وار راہداری میں بھاگا۔

وہ اپنا بیگ اٹھائے لفٹ کی طرف جا رہی تھی۔

''تالیہ... چے تالیہ۔'' وہ پھولے تنفس کے ساتھ اس کے پیچھے آیا۔ وہ چونک کے مڑی۔ پھر اسے دیکھا تو سادگی سے مسکرائی۔

''جی' ایش؟''

''میرے آفس آئیں۔ مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

وہ عجلت میں کہتا اسے اپنے آفس لے آیا۔ وہ حیران سی اندر آئی تو اشعر نے دروازہ بند کیا' پھر میز تک چلتا آیا۔

وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''آج کے لئے بہت stunt' بہت گیمز کھیل لیے' اشعر۔ اب چھٹی کا وقت ہے۔'' اس نے یاد دلایا تو وہ جو اسے تاسف سے دیکھے جا رہا تھا' تھوڑی کو دو انگلیوں سے مسلتے ہوئے بولا۔

''مجھے ایک بری بات معلوم ہوئی ہے۔''

''مثلاً کیا؟'' وہ ٹھنڈے سے انداز میں بولی۔

''آپ نے عثمان کو جاب سے نکالا تھا اور اس نے بدلے کے طور پہ کچھ غلط کر دیا ہے۔''

تالیہ نے سکون سے ابرو اٹھائی۔ ''اور وہ کیا؟''

''وہ صوفیہ رحمٰن کے پاس چلا گیا اور آپ کو مشکوک قرار دے دیا۔ میری اطلاع کے مطابق صوفیہ رحمٰن آپ کی تفتیشی فائل کھلوا رہی ہے۔ وہ لوگ آپ کی کوئی کمزوری' کوئی چھپی چیز کھوجنا چاہتے ہیں۔''

تالیہ چند لمحے اس کو بے تاثر نظروں سے دیکھتی رہی۔ اشعر کو لگا وہ اب بھی پرسکون ہے جیسے وہ ہمیشہ ہوتی تھی مگر....

''عثمان نے کیا کیا ہے؟'' اس کا بیگ نیچے گرا اور اس کی بے یقینی سے پھیلتی آنکھیں دکھائی دیں تو اشعر محمود کا تنفس تنگ ہوا۔

''عثمان نے بدلے کے طور پہ....''

تالیہ کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

''عثمان تو آپ کا آدمی تھا۔ آپ کے اشاروں پہ چلتا تھا۔ آپ نے.....آپ نے بھیجا ہے اسے صوفیہ کے پاس؟''

تالیہ مراد غائب ہو چکی تھی اور وہ غراتی ہوئی شہزدی تاشہ اس کے اوپر مکمل طور پہ چھا چکی تھی۔

''نہیں.....میں نے نہیں....''

وہ آگے بڑھی اور ایک ہاتھ سے اشعر کی گردن دبوچ لی' پھر اسے دھکیلتی ہوئی پیچھے لے گئی اور جھٹکے سے اسے دیوار سے لگایا۔ اگلے ہی پل اس نے ایک تیز دھار چاقو اس کی گردن پہ رکھ دیا تھا۔

''مجھے لگا میں نئے دوست بنا رہی ہوں مگر تم ....تم مجھ سے ہی اِن سیکیور ہو گئے؟ تم نے میرے پیچھے حکومتی تفتیش ٹیم لگا دی' یو ایڈیٹ۔'' وہ اس کو گلے سے دبوچے' چاقو کی نوک اس کی گردن میں پیوست کیے غرا رہی تھی۔

سرخ آنکھیں' جارحانہ انداز' اور یہ حلق سے نکلتی غراہٹ نما آواز....اشعر محمود دیوار سے لگا بالکل ساکت ہو چکا تھا۔

''خدا کی قسم اشعر اگر کسی نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو میں تمہاری اور تمہاری بہن کی گردنیں کاٹ کے رکھ دوں گی۔'' اس کی گردن کو جھٹکا دے کے چھوڑا۔

''تم لوگ ابھی جانتے نہیں ہو کہ میں کتنی بڑی بلا ہوں۔'' لال انگارہ آنکھوں کے ساتھ غراتی ہوئی پیچھے ہٹی۔

''تم بالکل نہیں جانتے مجھے!''

وہ ششدر سا کھڑا تھا۔ وہ پیچھے ہٹی اور پھر ایک ہاتھ مار کے میز کی ساری چیزیں گرا دیں۔ کانچ کی کوئی نازک چیز ٹوٹ بھی گئی مگر مجال ہے جو اشعر محمود ذرا سا بھی ہلا ہو۔

تالیہ نے بیگ اٹھایا' ایک حقارت آمیز غصیلی نظر اس پہ ڈالی اور پیر سے نیچے لڑھکی چیزوں کو ٹھوکر مارتی باہر نکل گئی۔

اشعر نے دو انگلیوں سے گردن کو چھوا۔ جہاں خنجر کی نوک رکھی تھی وہاں ذرا سا کٹ لگ گیا تھا اور خون کی سرخ بوند نیچے لڑھک رہی تھی۔ اشعر نے رنگین پورے سامنے اٹھا کے دیکھے۔ وہ ابھی تک ششدر تھا۔

(یہ خنجر کہاں سے آیا؟ یہ تالیہ نے گردن دبوچنا کہاں سے سیکھا؟) وہ لاجواب ہو چکا تھا۔

اور باہر راہداری میں چلتی تالیہ مراد کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

اس کا سارا وجود ہل کے رہ گیا تھا اور وہ بالکل سانس روکے آفس کیبن کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ سراسیمگی' اور چوکنی نظروں سے اطراف میں بھی دیکھ رہی تھی۔ بازو سینے پہ یوں لپیٹ رکھے تھے جیسے وہ جنگل میں کانٹوں سے بچ بچ کے چل رہی ہو۔ پیچھے شکاری کتے ہوں اور اسے اپنی 'خوشبو' کو دبانے کے لئے کالی مرچ کے پتے بھی نہ مل رہے ہوں۔

فائلیں ہاتھ میں لیے سامنے سے گزرتے دانیال نے مسکراتے ہوئے اسے خدا حافظ کہا۔

(اگر یہ جان لے کہ تالیہ کے ایل کی سب سے ماہر اسکامر ہے تو؟)

وہ آگے بڑھتی گئی۔

فریدہ نے اپنے کیبن سے گردن اونچی کر کے اسے الوداع بولا۔ وہ اسے جواب تک نہ دے سکی۔

(اگر فریدہ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عورتوں کے زیورات چرا چرا کے اس مقام تک پہنچی ہے؟)

لفٹ مین نے ادب سے سر جھکایا اور سامنے سے ہٹ گیا۔

(اگر اس کو معلوم ہو گیا کہ تالیہ نے اتنے سال لوگوں کے لاکرز اور پرس خالی کیے ہیں؟ تو کیا عزت رہ جائے گی؟)

وہ لفٹ میں کھڑی ہوئی اور بٹن دبایا۔ سامنے آفس کا منظر نظر آ رہا تھا۔ دروازے ایک دوسرے کے قریب آنے لگے تو منظر تنگ ہوتا گیا۔ یہ وہ آفس تھا جس کے لئے وہ بڑے سے بڑے فورم پہ جا کے لڑی تھی.... اپنا چہرہ منظرِ عام پہ لے آئی تھی.... ان لوگوں کی نظروں میں عزت اس نے بہت مشکل سے بنائی تھی۔ مگر کیا سارے گناہ اور جرائم اس کا تعاقب کر رہے تھے؟ کیا وہ معاف نہیں ہوئے تھے؟

دروازے ایک دوسرے میں مل گئے اور اس کا سینہ گھٹتا گیا۔ وہ بازو اپنے گرد لپیٹے سراسیمگی کی حالت میں کونے میں کھڑی رہی۔

لفٹ نیچے جا رہی تھی اور اس کا پریشان دل ڈوبتا جا رہا تھا۔

اگر وان فاتح کو علم ہوا کہ تالیہ ہی حالم ہے اور حالم ایک چور تھا.....تو وہ اسے کن نظروں سے دیکھیں گے؟

یا اللہ.....اب وہ کیا کرے گی؟

☆......☆......☆

چند میل دور پراسیکیوشن آفس کے اس وسیع کمرے میں بیٹھا ادھیڑ عمر پراسیکیوٹر عینک لگائے ایک فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔اس کے لبوں پہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک تھی۔دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک سانولی رنگت اور لمبے بالوں والا اور نگ اصلی نوجوان اندر داخل ہوا۔

''سر.....آپ نے بلایا تھا۔'' وہ انویسٹی گیٹر تھا اور اکثر انویسٹی گیٹرز کی طرح بے پرواہ سے حلیے میں تھا۔سیاہ پینٹ شرٹ کے اوپر چمکتے کپڑے کی سیاہ جیکٹ اس نے اس موسم میں بھی پہن رکھی تھی۔بال لمبے اور ہاتھوں پہ ٹیٹو بنے دکھائی دیتے تھے۔

پراسیکیوٹر احمد نظام کو فائل پہ جھکے دیکھ کے انویسٹی گیٹر کھنکھارا۔

''یہ تالیہ مراد والا کیس ہے نا؟ آپ صبح کہہ رہے تھے کہ اس پہ کچھ نہیں ملا تو ہمیں اس فائل کو بند کرنا پڑے گا؟''

''وہ صبح کی بات تھی۔شام کو حالات بدل گئے ہیں۔'' پراسیکیوٹر نے عینک کے اوپر سے مسکرا کے اسے دیکھا اور موبائل اسکرین روشن کر کے اسے دکھائی۔''یہ تالیہ مراد کی پریس بریفنگ ہے جس کے نیچے فیس بک پہ لوگ کمنٹس کر رہے ہیں۔مجھے یہ کمنٹ چونکا گیا ہے۔''

انویسٹی گیٹر نے فون اس کے ہاتھ سے لیا اور غور سے اسکرین کو دیکھا۔وہاں ایک چھوٹا سا کمنٹ تھا۔

''یہ لڑکی ہمارے قریبی سوپ پارلر والی ویٹرس جیسی لگتی ہے۔اس کا نام بھی تالیہ تھا۔یہ اس کی بہن تو نہیں؟''

سوشل میڈیا پہ ہر شخص کو رائے دہی کی آزادی تھی اور کسی عام شہری نے یونہی اپنی رائے دی تھی۔البتہ انویسٹی گیٹر نے چونک کے چیف پراسیکیوٹر کو دیکھا۔

''اس کا کیا مطلب ہوا؟''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس فائل کو بند نہیں کر رہے۔ہمیں بالآخر ایک lead مل گئی ہے۔'' انہوں نے ٹیک لگا کے بازوؤں کا تکیہ بنا کے سر کے پیچھے رکھا اور فاتحانہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''اس کمنٹ کرنے والے کو ڈھونڈو۔اور تفتیش کے لئے آفس بلاؤ۔میں خود اس سے سوال جواب کروں گا۔پھر ہم اس سوپ پارلر بھی جائیں گے۔اس آفیسر نے درست کہا تھا۔شاید یہ لڑکی واقعی وہ نہیں ہے جو یہ خود کو ظاہر کرتی ہے۔''

''زبردست سر۔'' انویسٹی گیٹر جوش سے بولا۔''ایسے فراڈ لوگوں کو قانون کے کٹہرے میں لانا بہت ضروری ہے۔یہ کیس یقیناً کیس آف دی ائیر بننے والا ہے۔''

مگر وہ غلط تھا۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ ایک معمولی لیڈ سے شروع ہونے والا کیس دراصل کیس آف دی سنچری بننے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

سیمینار ہال کی کرسیاں مہمانوں سے بھری تھیں۔ اونچی چھت پہ لگی سارے بتیاں روشن تھیں۔ جہاں کیمرہ مین کے کیمرے اسٹیج کی عکس بندی میں مصروف تھے، وہیں مہمان خاموشی اور ادب سے ڈائس پہ کھڑی عصرہ کو سن رہے تھے جو ''ورک پلیس پہ خواتین کو پیش آنے والی ہراس منٹ'' کے موضوع پہ لیکچر دینے آئی تھی۔

عصرہ سر کو سفید اسٹول سے ڈھانپے ہوئے تھی اور کانوں کے موتی نظر آ رہے تھے۔ ہلکے میک اپ اور نیوی بلیو اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس وہ ڈائس کے پیچھے کھڑی مطمئن اور پرسکون دکھائی دیتی تھی۔ دونوں ہاتھ ڈائس کے کناروں پہ رکھے، وہ اعتماد سے ہال کو دیکھتی، مائیک میں کہہ رہی تھی۔

''مجھے جب اس سیمینار کے لئے بلایا تو میں ہچکچا رہی تھی کہ کیا بولوں گی۔ اتنا عرصہ منظر سے غائب رہنے کے بعد واپس سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا مشکل لگ رہا تھا۔'' وہ سادگی سے مسکرا کے بتا رہی تھی۔

(اسٹریٹ پولز کی دودھیا روشنی تاریک سڑک کو نیم روشن کیے ہوئے تھی۔ بارش کی بوندیں بس کے شیشوں پہ لکیریں چھوڑنے لگیں۔ بس کے اندر تالیہ اداسی سے کھڑکی سے سر ٹکائے باہر برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔)

''لیکن پھر بھی میں نے واپس آنے کا فیصلہ کیا۔ صرف اپنی بیٹی آریانہ کی وجہ سے۔''

مائیک میں بولتی عصرہ کی آواز نم ہوئی اور مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ''جب مجھے یقین ہو چکا تھا کہ آریانہ واقعی اس روز.....اس دنیا سے چلی گئی تھی تو میرا دل چاہا میں بھی اس کے پاس چلی جاؤں لیکن.....اگر میں نے بھی ہار مان لی تو ملائیشیاء کی ان بیٹیوں کی آواز کون بنے گا جو روز کسی نہ کسی ظلم کا شکار ہوتی ہیں؟''

(ذوالکفلی اپنے دیوان خانے میں فرش پہ بیٹھا، دو بوتلوں کو ایک ساتھ ایک شیشے کے پیالے میں انڈیل رہا تھا جب کسی احساس کے تحت گردن موڑی۔ شیلف پہ رکھی سفید مائع سے بھری شیشی چمک رہی تھی۔ اس میں بھرا مائع ذرا ذرا سا کم ہونے لگا تھا۔ ذوالکفلی مسکرایا۔ فاتح نے ایک سوال کا جواب پا لیا تھا یقیناً۔)

''میں عصرہ محمود، بارِیسن نیشنل کے ہونے والے چیئرمین کی بیوی، یہ اعتراف کرتی ہوں میں نے خود آفسز میں خواتین کو ہراس منٹ کا نشانہ بنتے دیکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں عورت کو صرف ''جسم'' کے طور پہ دکھایا جاتا ہے ''دماغ'' کے طور پہ نہیں۔ مگر اب وہ وقت آ گیا ہے جب مردوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ جاب کرنے والی لڑکیاں آفس افیئر چلانے یا مردوں کو خوش کرنے نہیں آتیں۔''

(آفس چیئر پہ بیٹھے فاتح نے لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کی تو اپنے ہاتھ کی پشت پہ بنے نشان کو دیکھ کے ٹھہرا۔ زخم اب مندمل ہو چکا تھا۔ نہ جانے یہ زخم کیسے آیا تھا۔ اس نے سوچا ہی تھا کہ لمحے بھر کے لئے آنکھوں کے سامنے ایک عجیب منظر چھانے لگا۔

اسے لگا وہ ایک سلاخ دار کال کوٹھڑی میں بیٹھا ہے' اس کے جسم میں درد ہے' اور ساتھ بیٹھی جھکے سر والی لڑکی اس کے ہاتھ پہ مرہم لگا رہی ہے۔ یکا یک وہ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھتی ہے تو وہ چونکتا ہے۔ وہ سنہرہ پونی اور سیاہ لباس والی تالیہ ہے۔)

''لڑکیاں حجاب پہنیں یا نہ پہنیں' اگر وہ کسی مرد میں دلچسپی نہیں دکھا رہیں تو اس لئے کہ وہ جاب کی جگہ پہ جاب کرنے آئی ہیں۔ لڑکیوں کو بھی یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کام کی جگہ پہ وہ ایک حد میں رہ کے اپنے کولیگز سے اچھا ریلیشن شپ رکھ سکتی ہیں' ایک دوسرے کی مدد کر سکتی ہیں' اچھے مشورے دے سکتی ہیں' مشکل میں کام آسکتی ہیں مگر جیسے ہی کوئی مرد کسی عورت سے یا کوئی عورت کسی مرد سے غیر اخلاقی یا معنی خیز گفتگو کرے وہاں آپ کو فوراً ردِعمل دینا ہوگا۔'' تقریر کرتی عصرہ اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

(فاتح چونکا۔ لمحے بھر کے لئے ذہن میں دکھائی دینے والا منظر بلبلے کی طرح پھٹ کے غائب ہو گیا۔ اس نے بے یقینی سے اطراف میں دیکھا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا تھا اور سب ٹھیک تھا..... مگر یہ منظر.... یہ کیسا منظر اسے ''یاد'' آیا تھا؟ جیسے وہ کسی قید خانے میں ہو اور زمین پہ بیٹھی تالیہ اس کے مرہم لگا رہی ہو۔ شاید میری طبیعت خراب ہے جو مجھے الٹی سیدھی چیزیں نظر آنے لگی ہیں۔ اس نے سر جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔)

''باس کو اپنے کام سے خوش کریں' اچھی شکل یا مسکراہٹوں یا فرینکنیس سے نہیں۔ آپ کو اپنی عزت خود کروانی ہوتی ہے مگر.... کچھ مرد ان ساری احتیاط پسندیوں کے بعد بھی باعزت لڑکیوں کو ہراس کرتے ہیں۔''

عصرہ بول رہی تھی اور سب خاموشی و توجہ سے اسے سن رہے تھے۔ کیمرہ مین مسلسل اس کی عکس بندی کر رہے تھے۔

(اشعر باتھ روم کے آئینے کے سامنے کھڑا گردن پہ دوا لگا رہا تھا۔ اس کا سارا وجود ابھی تک ششدر تھا۔ وہ چھ فٹ کا مرد تھا اور چاہتا تو تالیہ پہ ہاتھ اٹھا سکتا تھا مگر صدمہ اتنا شدید تھا کہ اس سے کوئی ردعمل نہیں ظاہر ہو سکا۔

''کاش میں نے ''اس'' کی بات مان کے تالیہ کی فائل کھلوانے عثمان کو نہ بھیجا ہوتا۔'' اس کے پچھتاوے لامحدود تھے)

''اس کے دو ہی حل ہیں۔ بطور معاشرہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتے ہوئے مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک محفوظ فاصلہ رکھنا ہوگا۔ ڈاکٹرز' ٹیچرز' انجینئرز' سیاسی ورکرز' سب محفوظ ماحول میں کام کریں۔ بے شک کریں مگر ایک فاصلہ رکھنا ضروری ہے۔ اور دوسری چیز....''

(ایڈم اور داتن حالم کے بنگلے کے لاؤنج میں بیٹھے مختلف کاغذات بکھیرے ہوئے تھے۔ سامنے کری پفز بھی پلیٹ میں رکھے تھے جن کو مسلسل کھاتے ہوئے وہ باتیں بھی کر رہے تھے۔)

''جب بھی کوئی آپ کے ساتھ زبانی یا جسمانی طور پہ غیر آرام دہ کرنے والا فعل کرے' آپ نے فوراً ردِعمل دینا ہے۔ ہمیں

ہراس منٹ کے خلاف لڑنے کے لئے ''Shame (شرم) کو اس ساری ایکویئشن سے نکالنا ہوگا۔ اگر سڑک پہ کسی نے چھوا ہے تو مڑ کے اس پہ اسی وقت حملہ کرو۔ اپنے پرس سے مارو یا ہاتھ سے، مگر اس کو برابر کا جواب دو۔''

اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ اور وہ انگلی اٹھا کے جارحانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اگر بس میں کوئی تنگ کرے تو لوگوں کو اکٹھا کروں۔ اگر آفس میں کوئی ہراس کرے تو نوکری یا 'شرم' کی پرواہ کیے بغیر آسمان سر پہ اٹھا لو۔ آپ کو اگر ہراس منٹ سے کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ فوراً اسی وقت آواز اٹھانا ہے۔''

(بس میں بیٹھی تالیہ وقفے وقفے سے اپنے مختلف کانٹیکٹس کو فون کر رہی تھی۔ فلاں بینک سے پیسے نکلوانے ہیں، فلاں شناخت کو تباہ کرنا ہے، فلاں ادارے سے اپنی فائل ہٹانی ہے۔ وہ ایک کے بعد ایک ثبوت مٹانے میں لگی تھی۔)

''آج لڑکیاں کئی کئی سال بعد آکے بتا رہی ہیں کہ فلاں شخص نے ان کو ہراس کیا تھا۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کہتے ہیں کہ اس وقت کیوں خاموش رہیں۔ نہیں۔ آپ کو نہیں معلوم عورت کی کتنی مجبوریاں اور خوف اسے خاموش رکھتے ہیں، لیکن آپ کو اب خاموشی توڑنی ہوگی۔ میں ایک ماں ہوں، اس بیٹی کی ماں جو مظلوم تھی اور دوسروں کے سیاسی عناد کا شکار بن گئی۔ ایک مظلوم بیٹی کی ماں آپ سے کہہ رہی ہے کہ اب وقت آچکا ہے۔ Time is up۔''

(تالیہ سوپ پارلر میں چلی آئی تھی اور اب پچھلے کمرے میں کھڑی بوڑھے شیف کو منت اور مجبوری سے ایک داستان سنا رہی تھی۔ شیف اسے یقین دلا رہا تھا کہ اس کا تمام ورک ریکارڈ، سی سی ٹی وی فوٹیجز وہ مٹا دے گا اور پارلر کا کوئی ملازم کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہیں کہے گا۔ تالیہ نے نئی زندگی شروع کی تھی، اور وہ سب اس کا ساتھ دیں گے۔)

''اب ہمیں نئے قوانین بنانے ہوں گے جو آواز اٹھانے والی اور MeToo کہنے والی لڑکیوں کا ساتھ دیں۔'' دو انگلیوں کی وکٹری بنا کے عصرہ نے اوپر دکھائی۔ ''اور میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میرا شوہر وان فاتح بن رامزل حکومت میں آکے ورک پلیس پہ ہراس منٹ کے خلاف ٹھوس قوانین بنائے گا کیونکہ وہ ایک ظلم کی گئی بچی کا باپ ہے اور ساری مظلوم بیٹیوں کا درد سمجھتا ہے۔''

وہ آنکھوں میں نمی اور لبوں پہ مسکراہٹ لئے ان کو یقین دلا رہی تھی۔ اسٹیج پہ روشنیاں بکھری تھیں اور ان میں کھڑی عصرہ بہت باوقار اور پرعزم لگ رہی تھی۔ وہ ٹھہری تو ہال میں بیٹھے مہمان اپنی نشستوں سے اٹھ گئے اور بے ساختہ تالیاں بجانے لگے....

(تالیہ مراد 'حالم' کے بنگلے کے سامنے کھڑی رات کے اس پہر گردن اونچی کر کے اس بنگلے کو دیکھ رہی تھی۔ تاش کے پتوں سے بنا یہ بنگلہ کیا اس کے سر پہ آنے والا تھا؟ وہ اندر تک ہل کے رہ گئی تھی۔)

☆......☆......☆

وہ اندر داخل ہوئی تو لاؤنج میں سامنے کاغذات اور لیپ ٹاپس پھیلائے داتن اور ایڈم بیٹھے تھے۔ اس وقت تک تالیہ اپنے آپ کو

سنبھال چکی تھی۔ بس سنجیدہ چہرہ بنائے اندر آئی اور بیگ میز پہ رکھا۔

''چے تالیہ آپ یقین نہیں کریں گی کہ ہم نے.... (تصحیح کی) میں نے کیسی عظیم دریافت کی۔'' سامنے بیٹھا ایڈم اسے دیکھتے ہی جوش سے چہک کے بولا۔ وہ پہلے ہی اتنے مسئلوں میں گھری تھی' اس وقت وہ ایڈم کے ''ہم نے نہیں میں نے'' کہنے پہ داتن کی خفگی سننے کے موڈ میں نہیں تھی' اس لئے قدرے جھڑک کے ان دونوں کو اپنے جھگڑے کم کرنے کا کہنے ہی لگی تھی کہ داتن بول اٹھی۔

''واقعی۔ یہ صرف ایڈم کی اپنی ذہانت کا کمال ہے ورنہ میں اکیلی تو یہ نہ کر سکتی۔''

''خیر آپ نے میری بہت مدد کی۔ آپ نہ ہوتیں تو میں جلد ہمت ہار دیتا۔'' وہ اعتراف کر رہا تھا۔

''لڑکے' تم اتنی جلدی ہمت کیوں ہارتے ہو؟ ہماری تالیہ سے کچھ سیکھو۔ اور ابھی تو تمہیں بہت آگے جانا ہے۔ سلیبریٹی جرنلسٹ بننا ہے۔''

''آپ کے ساتھ کام کر کے مجھے واقعی یقین آ گیا ہے کہ میں بہت آگے جا سکتا ہوں۔ بس میرا وزن بھی آگے نہ چلا جائے۔'' ایڈم نے کہتے ہوئے پلیٹ سے کری پف اٹھایا اور دانتوں سے کترا تو داتن ہنس دی۔

''کھاؤ کھاؤ۔ تمہارے لئے ہی بنائے ہیں۔ داتن پدوکا جب کسی کو پسند کرتی ہے تو اس کے لئے دنیا کے بہترین کھانے بناتی ہے۔''

''ویسے میں بھی یہاں موجود ہوں۔''

وہ جو سامنے کھڑی ابرو استعجابیہ اٹھائے ان دونوں کو خوشگپیاں کرتے دیکھ رہی تھی' شاکڈ سی آواز میں بولی تو ایڈم نے سادگی سے مسکرا کے دیکھا۔

''آف کورس چے تالیہ۔ آئیں بیٹھیں۔ آپ کو کچھ دکھاتا ہوں۔''

''دیکھ تو میں رہی ہوں۔'' اس نے ناخوشی سے باری باری دونوں کو دیکھا۔ ''بہت سے لوگوں نے نئے دوست بنا لئے ہیں۔''

''لگتا ہے کوئی جل رہا ہے' ایڈم۔'' داتن نے مسکراہٹ دبا کے کہا تو شہزادی نے کندھے اچکائے۔

''ابھی اتنا برا وقت مجھ پہ نہیں آیا جو تم دونوں سے جلوں گی۔ پلیز اپنی شیرلاک ہومز والی سرگرمیاں جاری رکھو۔'' وہ سر جھٹکتی کچن کی طرف بڑھی تو ایڈم نے برا مانے بغیر پکارا۔

''اتنی اچھی پہیلی دکھانے لگا تھا آپ کو۔''

''میرے پاس میری اپنی پہیلیاں ہیں سلجھانے کو۔ تم اپنا کام کرو۔''

وہ چپ چاپ کچن کی میز پہ بیٹھ گئی اور اسی پرچی کو کھول کے گھورنے لگی (جبکہ ذہن اشعر' سوپ پارلر اور ان تمام وارداتوں میں الجھا تھا جو اس نے کبھی کی تھیں۔)

داتن چپ چاپ اٹھی اور چولہے پہ اس کی پسند کا کچھ فرائی کرنے کا اہتمام کرنے لگی اور ایڈم کچن کی گول میز پہ اس کے مقابل آ بیٹھا اور نرمی سے پوچھا۔

''لگتا ہے پھر باس سے بے عزتی ہوئی ہے۔ خیر ہے' چے تالیہ۔ ایسا ہوتا ہے۔ آپ کتابیں....'' ابھی یہ دو لفظ بولے ہی تھے کہ تالیہ نے جھپٹ کے اسٹینڈ سے چھری اٹھائی اور اس کی طرف بلند کی۔

''یہ فقرہ بول کے تو دکھاؤ تم آج۔'' چیر دینے والی نظروں سے گھورا تو ایڈم نے فوراً سے دایاں ہاتھ پیچھے کر لیا۔

''واؤ۔ بڑے دن بعد شہزادی تاشہ نظر آئیں۔''

تالیہ نے ایک دم چھری گرا دی اور بے یقینی سے اپنے ہاتھ کو دیکھا جس میں اس نے چھری پکڑی تھی۔ پھر جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

''یہ میں نہیں ہوں۔''

''چے تالیہ.....آپ کیوں خود سے جنگ کر رہی ہیں؟'' اب کے وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ تالیہ نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے ملاکہ میں چند ماہ کے لیے شہزادی کا صرف کردار ادا کیا تھا۔ میں وہ شہزادی نہیں ہوں جو حکومت کرتی تھی۔ میں ایک فین گرل ہوں جو دی وان فاتح کی رفتار سے ملتے ملتے ہانپنے لگ جاتی ہے۔''

''آپ واقعی ایک ہنس مکھ اور زندہ دل فین گرل ہی ہیں اور ایک سابقہ اسکامر' چے تالیہ' مگر آپ وہ مغرور شہزادی بھی ہیں جو اپنے آگے کسی کو کچھ نہ سمجھتی تھی۔ آپ یہ ''دونوں'' ہیں۔ ہم سب کے اندر ایک ''ظالم ملکہ'' بننے کا خواہش مند وجود ہوتا ہے اور میں نے آپ کو اسی طرح تسلیم کر لیا ہے۔ یہ مجھے داتن نے سمجھایا ہے کہ انسان جو ہوتا ہے' اسے اپنے آپ کو ویسا ہی قبول کر کے اپنی کمزوریوں کو اپنی طاقت بنانا ہوتا ہے۔ آپ اپنے آپ سے کیوں بھاگ رہی ہیں؟''

چولہے پہ کام کرتی داتن نے محض مسکرا کے اسے دیکھا اور کام جاری رکھا۔ وہ ان دونوں کو آپس میں بات کرنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔

''اف ایڈم....تم نہیں سمجھو گے۔'' اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ ''ہر چیز غلط ہو رہی ہے۔ اوپر سے فاتح نے اس رات ذوالکفلی کو میرے لئے یہ چٹ تھما دی اور میں اس پہیلی کو حل نہیں کر پا رہی۔'' پھر شیشے کے گلاس تلے رکھی چٹ نکال کے اسے دکھائی۔ ''کیا تم اس کو حل کر سکتے ہو؟''

ایڈم نے ایک نظر ان ہندسوں کو دیکھا' اور دوسری سادہ نظر تالیہ پہ ڈالی۔ ''بالکل نہیں۔ اسے اسی کو حل کرنا چاہیے جس کو وان فاتح نے یہ دی ہے۔''

وہ جو پر امید ہوئی تھی' منہ بنا کے اسے دیکھنے لگی۔ ''میں ''حالم'' ہوں اور اس کو مختلف فارمولوں' algorithams اور

ciphers کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کر چکی ہوں مگر یہ کوئی ایسا کوڈ ہے جو ٹوٹ ہی نہیں رہا۔ نہ یہ نمبر کسی کا فون نمبر ہے' نہ بینک اکاؤنٹ' نہ شناختی کارڈ نمبر۔ اُف۔'' وہ زچ ہو چکی تھی۔

''یہی تو آپ کی غلطی ہے۔ آپ اسے حالم یعنی تالیہ بن کے حل کر رہی ہیں۔ حالم تو ماہر ہے' بے پناہ ذہانت کا مالک۔ بڑے بڑے کوڈز بریک کرنے والا۔ یہ چٹ وان فاتح نے حالم کو نہیں دی تھی۔''

تالیہ نے اچنبھے سے ابرو اکٹھے کیے۔ ''تم اتنی لمبی تقریر کے بجائے صاف بات کیوں نہیں کرتے' ایڈم۔''

ایڈم کی آنکھیں شرارت سے چمکیں۔

''وان فاتح آپ کی زبانی جنگل میں آپ کی کہانی ضرور سن چکے تھے' مگر وہ کبھی کے ایل والی تالیہ مراد کو جو کوڈز توڑنے میں ماہر تھی' جانتے ہی نہیں تھے۔ وہ حالم سے کبھی کے ایل میں نہیں ملے تھے۔''

''ایں؟''

''فاتح صاحب صرف شہزادی تاشہ سے واقف تھے۔ وہ شہزادی تاشہ جس نے جنگل میں ان کے ساتھ سفر کیا تھا۔ وہ کوئی ''ظالم ملکہ'' بننے کی خواہش مند لڑکی نہیں تھی۔ وہ پراعتماد تھی۔ اپنے آگے کسی کی ذہانت کو کچھ نہ سمجھتی تھی۔ وہ کموڈو ڈریگن کی آنکھ میں بے رحمی سے تیر چلا سکتی تھی۔ اندھیرے پانیوں میں سفر کرتی خزانے کے جزیرے تک جا پہنچی تھی۔ جس نے قید خانے میں جا کے سپاہیوں سے کہا تھا کہ وہ ان کی ہونے والی ملکہ ہے۔ وہ فین گرل نہیں تھی۔ وہ ''ملکہ'' تھی اور یہ چٹ انہوں نے اس تاشہ کے لئے دی تھی۔ اگر آپ یہ چیف آف اسٹاف والی محکوم اور سادہ سی تالیہ بن کے اس پہیلی کو حل کرنا چاہیں گی تو آئی ایم سوری' مگر آپ کبھی اسے حل نہیں کر سکیں گی۔ نہ آپ حالم جیسی انویسٹی گیٹر بن کے اس کوڈ کو توڑ پائیں گی۔ آپ کو پہلے یہ تعین کرنا پڑے گا کہ آپ کون ہیں۔''

وہ اسے سنے گئی۔ چپ چاپ سنے گئی۔ پھر اس نے آنکھیں بند کیں۔

تاج' انگوٹھیاں' کامدار لمبے لباس.... تیروں سے بھرا ترکش' تلوار.... کچھ بھی اس کے پاس نہ تھا' مگر.... اس نے آنکھیں کھولیں.... وہ جانتی تھی کہ مراد راجہ کی بیٹی ہے۔ ایک شکار باز۔ ایک شہزادی۔

جو ملاکہ سلطنت کے سلطان کی ملکہ بننے جا رہی تھی۔

جس نے راجہ مراد کو چکما دیا تھا اور غلاموں کو محل کے باہر لا کھڑا کیا تھا....

جو غار کے محافظ شکار باز کے خون میں لت پت وجود کی پرواہ کیے بغیر اس کو گردن سے دبوچ کے خزانے کا پوچھ رہی تھی....

جو قید خانے میں فاتح پہ تشدد کرتے سپاہیوں پہ غرا رہی تھی....

جو شاہی مورخ سے اپنی تعریفیں لکھوایا کرتی تھی....

.اور اس لمحے میں تالیہ کو احساس ہوا کہ وہ کون تھی۔

وہ خود 'اپنی' فین تھی....

وہ اپنی تعریفیں اسی لئے لکھوایا کرتی تھی کیونکہ وہ اپنی ذہانت کے آگے کسی کو کچھ نہ سمجھتی تھی۔

وہ شہزادی تھی اور ایڈم مورخ جبکہ فاتح غلام تھا۔

''غلام!'' وہ چونکی۔''وان فاتح صرف ایک غلام تھا' ایڈم۔'' وہ بولی تو چوکنا لہجہ مختلف تھا۔

(ایڈم زیرِ لب مسکرایا۔)

''وان فاتح میری طرح (گردن کڑائی) کوڈز بنانے اور توڑنے میں ماہر نہیں تھا۔ وہ تو ایک سیاستدان تھا۔ اسے یہ کام نہیں آتے۔ میں اس کو غلط طریقے سے حل کر رہی تھی۔''

اس نے چٹ اوپر اٹھا کے اسے غور سے دیکھا۔''میں اس پہ دنیا کا مشکل سے مشکل ترین فارمولا اپلائی کر رہی تھی جبکہ.... اگر اسے وان فاتح نے لکھا ہے تو.... اسے تو کوئی بہت آسان چیز ہونا چاہیے۔''

''یہی تو میں آپ کو سمجھانا چاہ رہا تھا کہ یہ کوئی بہت سادہ چیز ہو گی۔ آپ فین گرل بن کے نہ سوچیں۔ وہ ذہین شہزادی بن کے سوچیں جس کے سامنے کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔'' ایڈم نے پین اس کی طرف بڑھایا۔

''پتہ ہے کیا....'' وہ اسے بغیر پین لے کر جلدی سے کاغذ پہ حروف لکھنے لگی۔''یہ سادہ سا Shift cipher شفٹ سائیفر ہے۔ ہر ہندسہ حروفِ تہجی کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے 1 کا مطلب ہے پہلا حرف۔ A۔''

وہ تیز تیز ہر ہندسے کے ساتھ اس کے نمبر والا حروفِ تہجی لکھ رہی تھی۔ جو فقرہ بنا وہ حروف کا صرف ملغوبہ لگ رہا تھا۔

''چونکہ یہ شفٹ سائیفر ہے تو ہر حرف سے اگلا صرف لکھنا ہوگا۔ 1 کے لئے A کی جگہ بی لکھوں گی اور....'' تالیہ مسکرائی۔

(یہ تو بچوں والا سائیفر تھا۔ ہونہہ۔ میرے باس کو تو مشکل کوڈز ہی نہیں لکھنے آتے۔) شہزادی نے نخرے سے سوچا تھا۔

داتن فرائی مچھلی لئے ان کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ چٹ اب درمیان میں رکھی تھی اور اس پہ لکھا نظر آ رہا تھا۔

''اس کا قاتل اس کی پسندیدہ فیری ٹیل میں ہے۔''

وہ الفاظ خون کو سرد کر دینے والے تھے۔ وہ تینوں لمحے بھر کے لئے دنگ رہ گئے تھے۔

''اس کا کس کا؟''

''ظاہر ہے آریانہ کا۔ انہوں نے جنگل میں مجھے آریانہ کا قصہ سنایا تھا' وہ چاہتے تھے کہ مگر چونکہ وہ مجھے چھوڑ رہے تھے اسی لئے انہوں نے مجھے 'قاتل' کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' ساری بات اس کے سمجھ میں آ رہی تھی۔''مگر جب ان کو تین سوالوں کا علم ہوا تو انہیں

لگا کہ ''میں'' اور''وہ'' الگ نہیں ہو سکتے..تب انہوں نے ذوالکفلی کے پاس میرے لئے یہ ہنٹ چھوڑا' کیونکہ وہ چاہتے تھے میں آریانہ کو انصاف دلاؤں۔ یہ انکشاف ان کو ملا کہ میں کسی وجہ سے ہوا ہوگا اور وہ یادداشت کھونے پہ اسے بھولنا نہیں چاہتے ہوں گے۔''

''مگر آریانہ کو تو صوفیہ رحمٰن نے مارا تھا۔'' ایڈم حیران ہوا۔

''ہاں' اس نے ہی کیا تھا وہ سب۔ سارے ملک کو معلوم ہے۔'' داتن کو بھی اچنبھا ہوا۔

مگر تاشہ بنتِ مراد آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اس چٹ کو دیکھ رہی تھی۔

''نہیں۔ صوفیہ رحمٰن نے آریانہ کو نہیں مارا تھا۔'' اس کی نظریں ان الفاظ پہ جمی تھیں۔''میں جانتی ہوں اس کا کیا مطلب ہے۔ آریانہ فیری ٹیلز میں رہنے والی بچی تھی اور اس کی پسندیدہ فیری ٹیل سنو وائٹ تھی۔''

''ہاں...تو؟'' داتن خفا ہوئی۔''اسنو وائٹ میں بھی ظالم ملکہ نے شہزادی کے لئے جنگل میں شکاری بھیجا تھا اور ہمارے ملک کی ظالم ملکہ صوفیہ رحمٰن ہی ہے۔''

''اونہوں۔'' اس نے دھیرے سے گردن ہلائی۔ وہ ابھی تک بنا پلک جھپکے کاغذ کو دیکھ رہی تھی۔''تم بھول رہی ہو کہ اسنو وائٹ میں ظالم ملکہ کون تھی۔''

''کون تھی؟''

''سوتیلی ماں!'' ایڈم نے ششدر آواز میں کہا تو داتن کا منہ کھل گیا۔

''کیا؟''

اور سارا پزل لمحوں میں حل ہو گیا تھا۔

شہزادی تاشہ کے لبوں پہ بالآخر ایک تلخ اور بے رحم مسکراہٹ بکھر گئی۔

''آریانہ کو عصرہ نے مروایا تھا.....'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی۔''آریانہ کی مجرم اس کی اپنی سوتیلی ماں ہے۔ ان دونوں کے درمیان فاتح کا' جھوٹ' نہیں' عصرہ کا''گناہ'' آ گیا تھا۔ عصرہ آریانہ کی قاتل ہے اور وان فاتح یہ بات بھول چکے ہیں۔''

وہ ٹھنڈے لہجے میں باری باری دونوں کے سفید پڑتے چہرے دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

حالم کے بنگلے میں اس وقت ششدر سا سناٹا چھایا تھا۔

☆......☆......☆

عصرہ بنتِ محمود کے بیڈروم کی دیوار پہ سلور بیضوی فریم کا قدآور آئینہ آویزاں تھا اور وہ خالی کمرے کا عکس دکھا رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور عصرہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ بیگ کہنی پہ ڈالے' وہ سیمینار کے بعد سیدھا گھر آئی تھی اور ایک ہاتھ سے

اسٹول اتار رہی تھی۔ پھر بیگ کرسی پہ پھینکا اور سیدھی چلتی آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اونچا جوڑا باندھے ' کانوں میں موتی اور گردن میں ہیروں کا نیکلیس پہنے'اس نے مسکرا کے اپنے خوبصورت چہرے کو دیکھا۔

''آج کی تقریر نے سوشل میڈیا پہ میری تعریفوں کے پل باندھ دیے ہیں۔اچھی تقریر لکھ کے دی تھی تالیہ نے۔'' وہ مسکرا کے اپنے نیکلیس پہ انگلی پھیرتی اپنے عکس سے کہہ رہی تھی۔

''مگر تالیہ سمجھتی ہے کہ مجھے ان تقریروں کی ضرورت ہے۔اسے یہ نہیں معلوم کہ عصرہ محمود حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ اور اب وہ حکومت کرے گی کیونکہ اب سب ٹھیک ہو چکا ہے۔''

''واقعی ممی' اب سب ٹھیک ہو چکا ہے۔'' کمرے کے کونے سے آواز آئی تو عصرہ نے اطمینان سے چہرہ موڑا۔ وہاں بیڈ کے کنارے پہ آریانہ بیٹھی تھی۔سفید فراک پہنے' سفید ہیئر بینڈ لگائے' اس کی نظریں عجیب تھیں اور فراک کے سینے پہ خون لگا تھا۔

''مجھے معلوم ہے تم یہاں نہیں ہو' آریانہ۔اب مجھے تمہارے ڈراؤنے خوابوں سے ڈر نہیں لگتا کیونکہ تم مر چکی ہو۔ بے چاری آریانہ۔'' بے زاری سے سر جھٹک کے دوبارہ آئینے میں دیکھا۔عکس میں پیچھے بیڈ پہ بیٹھی آریانہ صاف دکھائی دے رہی تھی۔

''میں آریانہ نہیں ہوں' ممی۔میں تو آپ کا اپنا آپ ہوں جس سے آپ ڈرتی ہیں۔'' چھوٹی بچی مسکرائی۔''مگر آپ کو اب کسی کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔اتنے برس آپ اس بات کے ڈر سے ملک سے بھاگنا چاہتی تھیں کہ کہیں وہ نینی اور اس کا ساتھی آپ کے سامنے نہ آجائیں یا میں دوبارہ سے ڈیڈ کو نہ مل جاؤں' مگر چھے سال بعد ڈیڈ نے یہ کنفیوژن ہی دور کر دی۔میں تو اسی دن مر گئی تھی اور وہ دونوں گواہ بھی جن کو آپ نے بھیجا تھا۔''

''ہاں اور بالآخر میں اپنے خوف سے آزاد ہوگئی۔'' وہ عکس میں خود کو مسکرا کے دیکھ رہی تھی۔''اب مجھے اس ملک پہ حکومت کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔''

''مگر آپ کو ابھی بھی ایک چبھن ہے۔کچھ ہے جو آپ کو بے آرام کر رہا ہے۔''

عصرہ کی مسکراہٹ سمٹی۔اس نے گہری سانس لی۔

''ہاں۔اور اس کا نام تالیہ مراد ہے۔فاتح اور وہ سمجھتے ہیں کہ مجھے کچھ علم نہیں کہ ان کے درمیان ''کیا'' چل رہا ہے' لیکن خیر....اس کی کہانی بھی جلد ختم ہو جائے گی۔میں نے اشعر سے عثمان کے ذریعے صوفیہ رحمٰن کو تالیہ کے بارے میں مشکوک کر ہی دیا ہے۔ کچھ تو اس کے خلاف مل ہی جائے گا حکومت کو۔وہ ہماری زندگیوں سے دور چلی جائے گی اور یہ راز راز ہی رہے گا کیونکہ سوائے اس کے کوئی خطرناک حد تک ذہانت کا مالک نہیں ہے یہاں۔'' وہ اب چہرے پہ آئی لِٹ لپیٹتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

آریانہ کا عکس مدھم ہونے لگا اور بالآخر وہ غائب ہوگئی۔جب سے اس کے مر جانے کا علم ہوا تھا' اس کا عکس عصرہ کو کم کم ستانے لگا تھا۔

وہ بالآخر پرسکون ہو چکی تھی۔ شانت اور بے خوف۔

''کیا اشعر' کیا بچے اور کیا فاتح.... ان میں سے کوئی بھی اب میرا راز نہیں پا سکے گا۔''

پھر تنہا کمرے میں کھڑے اس نے بیضوی آئینے سے مسکرا کے پوچھا۔

"Mirror, Mirror on the wall,

Who is cleverest of them all."

اور آئینہ جواب کے طور پہ ملکہء بد کا خوبصورت چہرہ دکھا رہا تھا۔

 

نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول **حالم** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔

پندرھواں باب:

چناؤ

اس نے خواب میں دیکھا..

وہ لکڑیوں کا گٹھا پھینک کے

اس کیچڑ میں لت پت لڑکی کے سامنے جھکا

جو گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھی روئے جا رہی تھی۔

آس پاس گھنے اور اونچے درخت تھے۔

وہ گھٹنوں پہ ہاتھ جمائے جھک کے اس سے بولا

"Make a wish"

وہ بھیگا چہرہ اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

"آج تمہاری سالگرہ ہے۔کوئی خواہش کرو۔"

پھر اس نے سنا وہ روتے ہوئے کچھ کہنے لگی۔

ٹوٹے ٹوٹے سے الفاظ سماعتوں سے ٹکرائے۔

چاکلیٹ....بہت ساری چاکلیٹ...

وہ مڑا اور ایک درخت تک گیا۔

ایک سخت خول کا پھل توڑا اور اسے چاقو سے کاٹا۔

اندر سے نکلتے گودے کی خوشبو اتنی تیز تھی کہ اسے لگا ناک میں گھس گئی ہو۔

ایک دم سے فاتح کی آنکھ کھلی۔

☆......☆......☆

کچھ دیر کے لئے 557 برس قبل کے زمانے میں واپس چلتے ہیں۔

شہر تھا ملاکہ کا...وقت تھا شام کا....اور مقام تھا سن باؤ کے گھر کا۔

سورج ڈوب رہا تھا اور وان فاتح صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کرتا نظر آ رہا تھا۔ سفید پاجامے پہ پہنے کرتے کی آستینیں چڑھائے' ہاتھ میں ڈول پکڑے وہ ایک مکمل غلام بن چکا تھا۔ چلو بھر بھر کے پانی صحن کی اینٹوں پہ چھڑکتا' اور درمیان میں خود بھی گھونٹ بھر لیتا کہ گرمی شدید تھی اور کنویں کا پانی ٹھنڈا میٹھا سا تھا۔

دفعتاً دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ پھرتیزی سے برآمدے میں آیا مگر وسط میں ٹھہر گیا۔

سامنے ملکہ یان سوفو اپنے چند مصاحبوں کے ہمراہ چلی آ رہی تھی۔ بھورے چغے میں ملبوس' سر کو اس کی ٹوپی سے ڈھکے' قریب آتی ملکہ نے ہاتھ کے اشارے سے مصاحبوں کو دور رہنے کا اشارہ کیا اور خود اس کے سامنے آ رکی۔ چغے کی ٹوپی کے ہالے میں اس کا خوبصورت چینی چہرہ مسکراتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

فاتح نے ڈول زمین پہ رکھا اور گردن جھکا کے تعظیماً سلام کہا۔

''ملکہ....خوش آمدید۔'' ساتھ ہی گہری آنکھیں اٹھا کے دیکھا۔

شاہ چین کی بیٹی نے چغے کی ٹوپی پیچھے کو گرائی اور شاہانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''سب کیسا جا رہا ہے' غلام فاتح؟''

اس نے پہلے ملکہ کو کرسی پیش کی' پھر درمیان میں میز رکھی اور جب وہ کرسی پہ بیٹھ گئی تو وہ مقابل کرسی پہ بیٹھ گیا۔ غلام ہونے کے باوجود وہ ملکہ کے سامنے بیٹھنے سے قطعاً نہیں ہچکچایا۔ ملکہ کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

''کل شہزادی تالیہ اور مورخ تین چاند والے جزیرے کے لئے روانہ ہوں گے جہاں سے وہ خزانہ ڈھونڈ کے لائیں گے۔ آپ کا بھیجا گیا چینی جہاز اگر وقت پہ پہنچ گیا تو.....''

''وہ وقت پہ ہی پہنچے گا۔''

''بالکل' اگر ایسا ہوا تو شہزادی تاشہ خزانے سمیت واپس آئیں گی۔ امید ہے تب تک مراد راجہ مجھے قید کر چکا ہوگا' لیکن میں اس سے اپنے اور تاشہ کے لئے محفوظ راستہ حاصل کر لوں گا۔ پھر ہم ملاکہ سے چلے جائیں گے اور آپ کے تخت کو کسی لڑکی سے خطرہ نہیں ہوگا۔''

''مراد راجہ اور تاشہ.... مجھے اپنے ان دونوں 'دشمنوں' سے نجات مل جائے گی نا؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ فاتح نے سر کو خم دیا۔

''میں نے آپ سے وعدہ کر رکھا ہے ملکہ عالیہ کہ شہزادی تاشہ آپ کے سلطان کی ملکہ نہیں بنے گی۔ آپ بے فکر رہیے۔''

''تمہارے وعدوں پہ اعتبار کرنا چاہتی ہوں مگر.....'' ملکہ نیچے فرش کو دیکھ رہی تھی جہاں پانی کا ڈول رکھا تھا۔ ''مگر تمہارا چہرہ کہتا

ہے کہ تم وعدے نبھانے میں اچھے نہیں ہو۔"

"آپ کی قیافہ شناسی غلط ہے ملکہ۔ میں نے کبھی وعدے نہیں توڑے۔ چاہے وعدہ قوم سے کیا ہو یا بیوی سے یا اپنے بیٹے اور بیٹیوں سے۔"

ملکہ نے چونک کے آنکھیں اٹھائیں۔ "بیٹیاں؟ تمہاری تو صرف ایک بیٹی ہے۔"

"اب ایک ہے۔ بڑی والی مر چکی ہے۔"

سن باؤ کے برآمدے میں سناٹا چھا گیا۔

ملکہ نے چند لمحے کو نظریں جھکائیں پھر اٹھا کے اسے دیکھا۔

"نہیں۔ جو مری تھی' وہ تمہاری بیٹی نہیں تھی۔ وہ تمہاری بہن تھی۔" پھر شانے اچکائے۔ "لیکن ہو سکتا ہے میری قیافہ شناسی (چہرے پڑھنے کا علم) غلط ہو۔ خیر.... کل جب شہزادی تاشہ اور مورخ جزیرے کی طرف چلے جائیں گے تو...."

وہ بات بدل کے واپس منصوبے کی طرف جانے لگی مگر وان فاتح کی تمام حسیات جاگ چکی تھیں۔ ملکہ کے مقابل بیٹھے غلام نے پانی کے ڈول کو دیکھا اور پھر ملکہ کو۔

"نہیں.... یہ قیافہ شناسی نہیں ہے۔" اس کی چبھتی نظریں یان سوفو پہ جمی تھیں جس کی رنگت ایک دم پھیکی پڑی تھی۔

"اس روز جب آپ نے تاشہ کے سامنے اسی جگہ بیٹھ کے مجھے خود غرض کہا تھا تو مجھے یاد ہے' آپ کی آمد سے چند ساعتیں قبل میں کنویں سے پانی بھر کے لایا تھا اور وہ ڈول بھی میں نے اس طرح یہاں رکھا تھا۔ اس روز بھی ڈول کے پانی سے میں نے پیا تھا۔ آج بھی پیا ہے۔ آپ میرا چہرہ نہیں پڑھ رہی تھیں' ملکہ۔ آپ پانی کو پڑھ رہی تھیں۔"

فاتح کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے' اور اس نے آگے جھک کے ملکہ کی آنکھوں میں جھانکا۔

"یہ قیافہ شناسی نہیں ہے۔ یہ جادو ہے۔ اور آپ.... آپ جادوگرنی ہیں۔"

نیلگوں اندھیرے میں ڈوبی حویلی پہ پل بھر کے لئے موت کا سناٹا چھا گیا۔

یان سوفو کے کان غصے سے سرخ پڑے اور اس نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ "تم اس گستاخی کی سزا جانتے ہو' غلام؟"

"میں اتنا جانتا ہوں کہ ملاکہ میں جادوگروں کے متعلق قوانین بہت سخت ہیں۔ اگر سلطان کو علم ہوا کہ آپ کے والد نے آپ کو 'جادو' سے لیس کر کے بھیجا تھا تا کہ..... (اس نے اندازہ لگایا) تا کہ آپ ملاکہ پہ قبضہ کر سکیں تو آپ کو سزائے موت دے دی جائے گی۔"

"تم مجھ پہ الزام لگا رہے ہو۔" وہ غرائی مگر لہجہ اتنا مضبوط نہ تھا مگر وہ مسکرائے جا رہا تھا۔

"آپ نے پمبورو کے پورے گاؤں کو تباہ کروا دیا کیونکہ وہ جادو میں ملوث تھے۔ مراد راجہ نے اپنے جادوگر دوستوں سے غداری

کی اور آ ُسے آن ملا۔ کیا وہ آپ کا راز جان گیا تھا؟ تبھی آپ نے اسے محفوظ راستہ دے دیا۔ آپ دونوں جادوگر ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے واقف ہیں لیکن سلطان کو علم نہیں ہے۔"

"تم..."

"آپ فکرمت کریں۔ میں یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گا کیونکہ اگر آپ کو سزا ہوگئی تو مجھے اور تاشہ کو واپسی کا راستہ نہیں ملے گا۔"

یان سو فولب بھینچے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی' پھر ایک دم وہ ہنس پڑی۔ یکا یک سارا غصہ غائب ہو گیا۔

"تمہیں لگتا ہے میں تم سے ڈرتی ہوں؟"

"آپ کو مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' ملکہ۔ میں آپ سے کیا وعدہ نبھاؤں گا۔ آپ کو آپ کا علم مستقبل دکھا سکے تو دیکھ لیجئے گا۔"

یان سو فو نے اب کی بار پوری گردن جھکا کے ڈول میں مقید پانی کو غور سے دیکھا

"میں مستقبل نہیں بتا سکتی۔ جادو صرف ماضی بتا سکتا ہے۔" اعتراف کیا۔

"اور مستقبل دیکھ لینا کیا ہوتا ہے؟" اسے کوئی یاد آیا تھا۔

"الوہی تحفہ۔" وہ اب بھی پانی کو دیکھ رہی تھی۔

"شہزادی تاشہ نے بھی آپ کے سامنے بہت دفعہ پانی پیا ہوگا۔ ان کا ماضی نہیں پڑھا آپ نے؟"

"وہ جادوگر کی بیٹی ہے۔ میرا علم اس پہ اور اس کے باپ پہ نہیں چلتا۔ تم البتہ...." اس نے نظریں اٹھا کے مسکرا کے فاتح کو دیکھا۔

"ایک خود غرض مرد رہے ہو۔"

"اور وہ کیوں؟"

"تم نے ایک عورت سے صرف اس لئے شادی کی تاکہ وہ تمہاری بہن کا خیال رکھ سکے۔ تم اپنے باپ پہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ تم اس سے بہتر ہو۔ تمہیں اپنے باپ سے نفرت تھی۔"

"اور کیا دیکھا آپ نے میرے بارے میں؟" وہ دلچسپی سے ملکہ کو دیکھ رہا تھا۔

"غلام فاتح...." وہ اب کے نرمی سے بولی۔ "کچھ باتوں کو نہ جاننا ہی اچھا ہوتا ہے۔ میں تمہیں تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ تم منصوبے پہ دھیان دو۔ باقی سب بھول جاؤ۔ تم کسی دوسرے علاقے سے آئے لگتے ہو جس کے بارے میں' میں کچھ نہیں جانتی مگر محبتیں اور نفرتیں ہر علاقے میں ایک سی ہوتی ہیں اس لئے میں تمہارے دل میں کسی کے لئے نفرت نہیں بھرنا چاہتی۔"

یہ وہ آخری بات تھی جو یان سو فو نے اٹھتے وقت کہی تھی۔ وان فاتح نے پھر کوئی سوال نہیں پوچھا۔ اسے ایک جادوگرنی سے اپنے

ماضی کی خبر لینے میں دلچسپی نہ تھی کیونکہ اس کے خیال میں وہ اپنے ماضی سے واقف تھا۔

پھر وہ شام بھی آ گئی جب وہ مراد راجہ کو میز پہ لے آیا اور کچھ اپنی منوا کے کچھ اس کی مان لی۔ مراد نے رخصت کے وقت اسے صاف لباس اور گھوڑے سمیت سفر کے لئے زادِ راہ بھی دیا۔ وہ دونوں محل کے دروازے پہ کھڑے تھے اور مراد اسے بتا رہا تھا کہ اسے کس طرح چابی کی مدد سے جنگل میں اس مقام تک پہنچنا ہے جہاں وہ 'دروازہ' موجود ہے۔

دفعتاً ایک سپاہی مراد راجہ کا گھوڑا لئے قریب آیا تو فاتح چونکا۔

''آپ میرے ساتھ آ رہے ہیں' راجہ؟''

جواباً مراد کے تیوری چڑھی۔

''کیا تمہیں اس بات پہ اعتراض ہے کہ میں سن باؤ کے گھر سے اپنے صندوق اپنی نگرانی میں وصول کروں یا اپنی بیٹی کو الوداع کہہ سکوں؟''

''ہرگز نہیں' راجہ۔ میں سورج ڈوبنے کے ٹھیک ایک گھنٹے بعد آپ کو سن باؤ کی گلی کے پاس درختوں کے جھنڈ میں ملوں گا۔''

''کیوں؟ تمہیں کچھ خاص کرنا ہے کیا؟ یا کسی سے ملنا ہے؟'' راجہ نے مسکرا کے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ پھر ارد گرد نگاہ دوڑائی۔

''یقیناً میرے سپاہیوں میں سے کوئی ایک ملکہ کا وفادار ہوگا' اور اس نے تمہیں آنے کا اشارہ کیا ہوگا۔''

''راجہ کو اپنا سونا واپس مل رہا ہے۔ اب راجہ کو شکایت کا حق نہیں ہے۔''

مراد کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ''جاؤ' غلام فاتح۔ خدا کرے ملکہ مایوسی میں تمہاری گردن نہ اتروا دے۔''

اور ملکہ یان سوفو مایوسی سے زیادہ غصے کی حالت میں تھی۔ اگر اس وقت وہ محل میں ہوتی تو شاید اپنے سپاہیوں کو اس کی گردن مارنے کا حکم دے ڈالتی لیکن چونکہ اس غلام کو محل بلانا پُر خطر تھا' اس لیے وہ بندا ہارا کے محل سے چند کوس دور بنے بازار میں مل رہے تھے۔ سپاہی فاصلے پہ عام حلیے میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اور وہ دونوں ہندوستانی مصالحوں کی ایک دکان کے سامنے کھڑے تھے۔ ملکہ نے بھورے چغے کی ٹوپی سے سر ڈھانپ رکھا تھا اور اس کا چہرہ غیض و غضب سے سرخ دہک رہا تھا۔

''تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم مراد راجہ کو قلاش کر دو گے' تباہ کر دو گے۔'' وہ مٹھیاں بھینچے ضبط سے بولی۔

شام ڈھل رہی تھی اور ارد گرد بہت سے تازہ تازہ آزاد ہوئے غلام خوشی خوشی آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ رش بہت تھا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ فاتح کو جواباً بلند آواز میں کہنا پڑا۔

''میں نے آپ سے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔''

''تم خزانہ مراد کو واپس کیسے کر سکتے ہو؟ وہ تمہیں غریبوں کو دینا تھا۔''

''آپ چاہتی ہیں کہ میں وہ خزانہ سن باؤ کو دے دوں تاکہ وہ غریبوں میں بانٹ دے؟ کیا میں اتنا بے وقوف ہوں؟ ہم دونوں کو معلوم ہے کہ سن باؤ وہ خزانہ چین بھیج دے گا۔ اور آپ یہی چاہتی ہیں۔''

''چین بھیجنا مراد راجہ کو لوٹا دینے سے بہتر تھا۔ تم... تم وہ اسے کیسے واپس کر سکتے ہو؟''

''کیونکہ وہ مجھے واپسی کا راستہ دے رہا تھا اور صرف وہی دے سکتا تھا۔ میں نے آپ سے تاشہ کو آپ کے راستے سے ہٹانے کا وعدہ کیا تھا' مراد راجہ کو تباہ کرنے کا نہیں۔ آپ کی اور مراد کی جنگ آپ دونوں کا مسئلہ ہے۔ تاشہ اور میں اس کھیل کے لامتناہی کھلاڑی تھے۔ ہمیں اپنے ملک واپس جانا ہے۔''

بازار پہ اندھیرا چھا رہا تھا اور دکانوں کے قمقمے روشن ہو رہے تھے۔ آج لوگوں نے مغرب کے ساتھ ہی اپنے ٹھیلے نہیں سمیٹے تھے بلکہ وہ غلاموں کے آزاد ہونے کی خوشی میں جلوس نکال رہے تھے۔

'اور تم اپنے ملک کے بنداہارا بن جاؤ گے' یہ لگتا ہے تمہیں؟'' ملکہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مستقبل نہ میں دیکھ سکتا ہوں نہ آپ۔ اس لئے کوشش ہی کر سکتا ہوں۔''

رش بڑھتا جا رہا تھا اور لوگوں کا شور بھی۔

''میں ابھی بھی تمہارا سر قلم کروا سکتی ہوں۔'' وہ برہمی سے اس کو دیکھ کے بولی تو غلام مسکرا کے قریب آیا اور ملکہ کے کان میں سرگوشی کی۔

''یعنی آپ شہزادی تاشہ کو پھر سے غیر شادی شدہ بنا دیں گی؟ اور آپ کو کیا لگتا ہے.... فاتح بن رامزل مرنے سے پہلے اعلانیہ انداز میں لوگوں کو نہیں بتائے گا کہ چینی شہزادی ایک جادوگرنی ہے؟ میں نے ان لوگوں کو آزاد کرایا ہے' ملکہ۔ یہ میرے احسان تلے دبے ہیں' یہ میرا یقین فوراً کر لیں گے۔'' پھر سیدھا ہوا تو دیکھا' ملکہ کا چہرہ غصے اور بے بسی سے تمتما رہا تھا۔

''تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ تم جانتے تھے میں مراد راجہ کی تباہی کے لئے وہ جہاز دے رہی ہوں تمہیں اور تم نے مجھے غلط تاثر دیا۔ خیر۔ خوش تو تم بھی نہیں رہو گے اپنے ملک میں۔''

فاتح نے کندھے اچکائے۔

''آپ اپنی فکر کریں' ملکہ۔ آگے آپ کو مراد راجہ سے ایک طویل جنگ لڑنی ہے۔''

سر جھکا کے تعظیم پیش کی اور الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔

''تم میرے دوست نہیں تھے اس لئے اب تمہیں تکلیف پہنچا کے مجھے افسوس نہیں ہو گا۔''

''آپ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔''

''نقصان نہیں۔تکلیف کی بات کر رہی ہوں۔سوچو....اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت ہو گی جب تمہیں معلوم ہو گا کہ....''وہ بالآخر مسکرائی۔چغے کے ہالے میں دمکتا اس کا چہرہ ذرا شانت ہوا۔

''کہ؟''فاتح نے ابرو اٹھائی۔

''کہ تمہاری بہن کا خون تمہارے بچوں کی ماں کے ہاتھ پہ ہے؟''

چند لمحوں کے لئے وقت بالکل تھم گیا۔بازار میں بجتے شادیانے...بھانت بھانت کی بولیاں...سب ایسے خاموش ہوا جیسے لوگوں کی زبانیں چھن گئی ہوں۔

''بھورے بالوں والی عورت ہے نا تمہاری بیوی؟ آخری دفعہ پہاڑوں پہ تمہاری 'بہن' کے ساتھ گئی تھی تو کانوں میں بڑے بڑے موتی پہن رکھے تھے؟اور تمہاری بہن سفید گھیر دار لباس پہنے ہوئے تھی؟اور اس کے اوپر پیلا لبادہ۔اس بچی کے لئے جو جلاد بھیجے گئے تھے' وہ تمہاری بیوی نے بھیجے تھے وان فاتح۔ماضی جان لینا مستقبل جان لینے سے زیادہ بڑا عذاب ہے۔ہے نا؟''

ملکہ نے چغے کی ٹوپی آگے کو سرکائی اور مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''تمہارا سفر اچھا گزرے۔اللہ حافظ۔''

وان فاتح وہیں ساکت کھڑا رہ گیا۔

وہ جا چکی تھی اور وہ اس سے مڑ کے سوال بھی نہیں کر سکا تھا۔اگر ملکہ جھوٹ بول رہی تھی تو اس کو ان کے لباس کا رنگ کیسے معلوم ہوا؟

اگلے تین دن جب وہ ایڈم اور تالیہ کے ساتھ جنگل میں سفر کر رہا تھا' وہ بہت چپ چپ سا تھا۔ایڈم اور تالیہ کیا کہہ رہے تھے' وہ نہیں سن رہا تھا۔دماغ میں صرف ایک فقرہ گردش کر رہا تھا۔

تمہاری بہن کا خون تمہارے بچوں کی ماں کے ہاتھ پہ ہے۔وہ بار بار سر جھٹکتا۔یہ ناممکن ہے۔عصرہ ایسے نہیں کر سکتی۔عصرہ کو تو آریانہ سے محبت تھی۔مگر کیا واقعی؟

بہت سے واقعات آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ہر بات میں وہ آریانہ کو فوقیت دیتا تھا اور عصرہ پسپائی اختیار کر لیتی تھی۔وہ جس پسپائی کو اس کا بڑا پن سمجھتا تھا' وہ اس کے اندر پنپتا زہریلا پودا بن چکی تھی۔آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آنے لگا تھا۔

وہ جنگل میں تھے اور ایڈم اور تالیہ سو چکے تھے۔وہ اپنے انہی خیالات کی رو میں بھٹکتا آگے نکل آیا۔جنگل اندھیر تھا اور گھنے درختوں کے باعث چاند دکھائی نہ دیتا تھا۔وہ ہاتھ میں مشعل لئے آگے چلتا گیا۔دفعتاً ایک درخت کے پاس رکا۔

وہ کوکوکا درخت تھا۔اس کے پتوں کی خوشبو نے ایک دم چار ماہ قبل والا وہ دن یاد کروا دیا جب اس نے تالیہ کی سالگرہ پہ اس کو یہ پھل توڑ کے دیا تھا۔ایک مغموم مسکراہٹ فاتح کے لبوں پہ بکھر گئی۔اس نے ایک پھل توڑا اور تالیہ کے پاس لے آیا۔وہ اپنے ٹہنیوں سے

بنے جھولے پہ بے خبر سو رہی تھی۔ وہ کافی دیر اس کے پاس بیٹھا سوچتا رہا کہ اسے کیا کہے۔

وہ اس کو چھوڑنے جا رہا تھا' اس لئے وہ اسے نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کی بیوی نے ہی اس کی بیٹی کو مارا ہے۔ اور ابھی تک وہ خود بھی پر یقین نہ تھا۔ لیکن اب دل کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا اسے کسی کو تو بتانا تھا۔ کچھ تو بتانا تھا۔ دروازہ پار کرتے ہی وہ سب بھلا دے گا۔ کوئی تو اسے یاد کروانے والا ہونا چاہیے۔ یا اللہ.... اس نے کیا قربان کر دیا؟ یادداشت کا سودا اس وقت اتنا مہنگا نہیں لگا تھا لیکن اب.....؟

کوشش کے باوجود فاتح بن رامزل اس رات تالیہ کو وہ سب نہیں بتا سکا۔ یہ بہت خطرناک راز تھا۔

مگر.... اپنے زمانے میں واپس آنے کے بعد..... ذوالکفلی سے وقت کے تین سوالات سنتے ہوئے اس کو احساس ہوا کہ اگر اسے اپنی یادداشت واپس چاہیے تھی تو اسے "اپنے ساتھ" موجود شخص سے بھلائی کرنی تھی۔ عصرہ اس کے لئے سب سے اہم شخص نہیں تھی۔ اس کی بیٹی کی قاتل کو اس کے لئے سب سے اہم شخص ہونا بھی نہیں چاہیے۔ اگر اسے کسی کے ساتھ بھلائی کرنی تھی تو وہ تالیہ ہونی چاہیے۔ اگر وہ چلی گئی تو وہ کبھی نہیں جان سکے گا کہ اس کی بیٹی کو عصرہ نے کیوں مارا تھا۔ کوئی تو ہونا چاہیے جو اس کے ساتھ مخلص ہو اور اسے یاد کروائے۔ خودغرضی ہے تو خودغرضی سہی مگر اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ تالیہ اسے بھول جائے۔

اس نے ایک سطر لکھ کے ذوالکفلی کے حوالے کی۔ وہ اسے ایڈم کو ای میل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ملک کا اگلا وزیرِ اعظم بننے جا رہا تھا اور یہ راز بہت خطرناک تھا۔

واپسی پہ اس نے ایڈم کو ای میل لکھی اور اسے ہر ہفتے تالیہ کے لئے کوکوپھل بھیجنے کی ہدایت کی۔

جب وہ ہر شے بھول چکا ہوگا تو وہ پھل تالیہ کو ان کی جنگل کی آخری گفتگو یاد دلائیں گے۔ اور وہ دوبارہ کبھی برائی کے راستے پہ نہیں جائے گی۔ صرف وہی اس کی مدد کر سکتی تھی۔

اسے تالیہ مراد سے محبت نہیں تھی۔ یہ بات وہ جانتا تھا۔ تالیہ کو اس سے محبت تھی۔ یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اور ایڈم کو کس سے محبت تھی' وہ اس سے بھی ناواقف نہ تھا۔ پہلے وہ چاہتا تھا کہ تالیہ اور ایڈم اس سے الگ ہو کے اپنی نئی زندگی شروع کریں لیکن آریانہ نے جیسے پہلے بھی اس کی زندگی میں ہر ایک کو پیچھے چھوڑ دیا تھا' اب بھی وہی بازی لے گئی تھی۔

تالیہ کو اس کے ساتھ رہنا تھا' اور اسے تالیہ کے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔

چاہے وقت بیت جائے.... چاہے یادیں کھو جائیں.... چاہے چہروں کے نقاب بدل جائیں.... انہیں ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑنا تھا۔

☆......☆......☆

حالم کے بنگلے کے اوپن کچن میں خاموشی چھائی تھی۔ داتن منہ کھولے باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھ رہی تھی۔ ایڈم جہاں دنگ رہ گیا تھا' وہیں شہزادی تاشہ کے اندر جاری تاشہ اور تالیہ کی جنگ ختم ہو چکی تھی اور وہ اپنے دونوں چہروں کو تسلیم کر کے ایک دم شانت نظر آتی تھی۔

''عصرہ محمود نے آریانہ کو قتل کروایا تھا۔''

اس نے دہرایا تو سناٹا ٹوٹا۔ داتن نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

''مگر عصرہ تو آریانہ سے سب سے زیادہ محبت کی دعویدار تھی۔''

''اور کسی نے مجھے کہا تھا کہ مجھے بہت سے لوگ ملیں گے جن کی زبانیں دلفریب باتیں کہیں گی لیکن مجھے ان کو ان کے اعمال کی بنیاد پہ پرکھنا ہوگا۔'' تالیہ ٹیک لگائے' اس کاغذ کو تہہ در تہہ کرتی کہہ رہی تھی۔ ''عصرہ کی زبان جو بھی کہے' اس کا عمل ہمیشہ مختلف رہا ہے۔''

''مختلف کیسے؟'' داتن کو اچنبھا ہوا۔

تبھی ایڈم کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا۔

''مسز عصرہ بظاہر آریانہ سے محبت کی دعویدار تھیں' لیکن آریانہ جس شخص کی بہن تھی' انہوں نے اس شخص کو چھ سال تکلیف دیے رکھی۔ اگر انہیں واقعی آریانہ سے لگاؤ ہوتا تو فاتح میں آریانہ کو ڈھونڈتیں اور ان کی تکلیف کا احساس کرتیں۔''

''اسی لئے عصرہ بیگم اس ملک سے بھاگنا چاہتی تھیں۔'' وہ انگلیوں کے پوروں سے کاغذ کو تہیں لگا رہی تھی اور گول میز پہ بیٹھے دونوں افراد اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔ ''تاکہ ماضی کا گناہ کبھی سامنے نہ آجائے۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ آریانہ تو اس دن مرگئی تھی' وہ ایک دم مطمئن ہوگئیں اور فرسٹ لیڈی بننے کے خواب دیکھنے لگیں۔''

''مگر.....فاتح صاحب کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' داتن نے اسے ٹوکا۔ اب وہ غور سے تالیہ کی آنکھوں میں بھرتے تنفر کو دیکھ رہی تھی۔ فاتح کے نام پہ تنفر میں اضافہ ہوا۔

''وہ ہمیشہ سے خود غرض تھے۔'' تالیہ ایک دم چیخ کے بولی۔ ''ان کو یقیناً قدیم ملاکہ میں معلوم ہوا ہوگا یہ سب۔ نہ جانے کیسے۔ اور انہوں نے اس بات کو ہم سے چھپا لیا مگر جب وہ واپس آنے کے بعد ذوالکفلی سے ملے تو انہیں احساس ہوا کہ وہ اکیلے یہ کام نہیں کر سکتے اور تالیہ تو ٹھہری کے ایل کی بہترین انویسٹی گیٹر (لہجہ طنزیہ ہوا تو ایڈم نے بھی چونک کے اسے دیکھا۔) سو مجھے اپنی زندگی سے باندھ دیا تاکہ میں آریانہ کی موت کا راز کھوج کے انہیں یاد کرواؤں۔ خود غرض... بے حد خود غرض انسان ہیں وہ۔'' اس نے کاغذ کو مروڑ کے زور سے زمین پہ مارا۔

''یہ خود غرضی نہیں ہے' چے تالیہ۔'' وہ نرمی سے بولا۔ ''یہ محبت ہے۔ آریانہ ان کی بیٹی تھی۔ انہوں نے ہم دونوں کو واپسی کا راستہ دینے کے لئے وہ سب بھول جانے کا انتخاب کیا تھا۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ ہم ان کی بیٹی کا قاتل ان کو یاد کروائیں؟''

داتن نے گھور کے ایڈم کو دیکھا مگر وہ تالیہ کی طرف متوجہ تھا۔ تالیہ کا تو جیسے دل ہی ٹوٹ گیا تھا۔

''اب تک مجھے لگا تھا ان کو شاید مجھ سے کوئی لگاؤ ہو... میری کوئی اہمیت ہو.. مگر نہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ صرف ضرورت کے لئے باندھا اور میں نے..... میں نے ان کے لئے ہر شے داؤ پہ لگا دی۔ میں نے اپنا چہرہ بھی میڈیا کے سامنے عیاں کر دیا جو کہ ایک اسکامر کا چہرہ ہے۔ کسی نے مجھے پہچان لیا' کسی نے تفتیش کی تو میرا کیا ہوگا؟''

''بالکل۔ وہ ایک خودغرض انسان ہے اور....'' داتن نے زوروشور سے تائید کرنی چاہی تو ایڈم نے تیزی سے بات کاٹی۔

''انہوں نے نہیں کہا تھا کہ آپ ان کی باڈی وومن بنیں۔ ساتھ رہنے کے بہت طریقے ہوتے ہیں۔ یہ آپ کی اپنی مرضی تھی۔ اور اب ان کو خودغرض کہنا چھوڑ دیں' چے تالیہ۔ کیا انہوں نے ہمارے لئے کچھ نہیں کیا؟ ہم اس دروازے کے پار آپ کے خزانے کے لئے گئے تھے' ان کی وجہ سے نہیں مگر یہ ان کا پلان تھا جو ہمیں وہاں سے نکال کے لایا ہے۔ جنگل میں ہمیں ہمت دلانے والا اور ملاکہ میں ہمیں سکھانے والا وان فاتح تھا۔ انہوں نے ہمیں اپنا بہترین ورژن بننا سکھایا ہے۔''

تالیہ نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم خود ہی تو کہتے تھے کہ جب وہ میرا ساتھ چھوڑ دیں گے تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔''

''تب کہتا تھا جب وہ ساتھ چھوڑنے والے تھے۔ جب نہیں چھوڑا تو کہنے کی وجہ نہیں رہی۔''

داتن نے میز کے نیچے سے ایڈم کے جوتے کو پیر مارا مگر وہ متوجہ نہیں ہوا۔

''وہ یہ سب مجھے براہ راست بھی بتا سکتے تھے۔ ایک ای میل کر دیتے۔ ایک خط لکھ دیتے۔ اتنی پہیلیاں کیوں رکھیں؟''

ایڈم بن محمد سوگواریت سے مسکرایا۔

''وان فاتح کب کوئی بات براہ راست کہتے ہیں؟ وہ تو ہمیشہ کوئی کہانی سناتے ہیں۔ اپنا جواب سننے والے کو خود تلاشنا ہوتا ہے۔ اب بھی انہوں نے ایک پہیلی چھوڑی تھی۔'' (دو گرے مروڑے ہوئے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔) ''آپ چاہتیں تو اس کو نہ حل کرتیں۔ یہ آپ کی اپنی چوائس تھی۔''

''تو اب میں کیا کروں؟ ان کی انویسٹی گیٹر بن جاؤں؟'' وہ تڑپ کے بولی۔ اسے بہت غصہ اور بہت دکھ تھا۔ ''مجھے کیا ان کی بیٹی کو جس نے بھی مارا ہو' وہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔''

''مگر مسز عصرہ تو ہیں نا آپ کا مسئلہ۔ آپ کو وہ بری لگتی ہیں اور آپ سے ان کا یہ نیا اچھا روپ بھی ہضم نہیں ہوا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ ان سے جیلیس ہیں۔''

''ایڈم....'' اس نے چھری اٹھائی تو وہ جلدی سے بولا۔

''آپ اس جیلسی کو اپنی طاقت کیوں نہیں بنا لیتیں؟'' (تالیہ نے دھیرے سے چھری واپس رکھی۔)

''تم چاہتے ہو میں عصرہ کو ایکسپوز کروں؟'' بھنویں اکٹھی کر کے خفگی سے اسے دیکھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے ساتھ موجود شخص کو بھلائی پہنچائیں۔ وہ شخص سب سے اہم ہے' اس کو بھلائی پہنچانا سب سے اہم ہے' اور یہ کام کرنے کا سب سے اہم وقت 'ابھی' ہے۔ آپ یہ کریں گی تو آپ کی یادداشت واپس آ جائے گی۔''

وہ رسان سے سمجھا رہا تھا اور داتن دانت پیستے ہوئے اسے گھور رہی تھی۔

''میری یادداشت آدھی تو آ ہی چکی ہے اور باقی معلوم کرنے میں مجھے دلچسپی نہیں ہے۔''

''جو ہمیں معلوم ہوتا ہے چے تالیہ' وہ ہمیشہ ہماری جان بچاتا ہے۔ ہوسکتا ہے آپ کی کہانی میں ابھی بھی کچھ ایسا ہو جسے معلوم کرنا آپ کے لئے ضروری ہو۔''

''ہونہہ۔ مجھے نہیں یاد کرنا قدیم ملاکہ کو۔'' شہزادی نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''ابھی تک آپ وان فاتح کی مدد اس لئے کر رہی تھیں کیونکہ آپ کو لگتا تھا وہ آپ کو ''اپنے لئے'' اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ اب آپ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کو اپنی مدد کے لئے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں تو آپ خود غرضی دکھا کے ان کو چھوڑ دیں گی؟ جس شہزادی تاشہ کو میں جانتا ہوں' جس کے قصے میں نے بنگارا یا ملایو میں لکھے تھے' وہ خود غرض نہیں تھی۔''

''ظاہر ہے۔'' وہ سر جھٹکتے ہوئے اٹھی اور کندھے اچکائے۔ ''تم یہ نہیں کہو گے تو اور کون کہے گا۔'' وہ کرسی دھکیل کے اٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ وہ سارے دن کی تھکی ہاری آئی تھی یقیناً اب فریش ہونے جا رہی تھی۔

اوپر اس کے دروازے کے بند ہونے آواز آئی تو داتن غصے سے ایڈم کی طرف گھومی جو اب گردن جھکائے ہوئے تھا۔

''تم وان فاتح کی اتنی حمایت کیوں کر رہے تھے؟''

اداس نوجوان نے پلکیں اٹھائیں اور سوگواریت سے اسے دیکھا۔

''میں سچ بول رہا تھا۔ ایک باپ کا اپنی بیٹی کے قاتل کو ڈھونڈنے کے لئے کچھ کرنا خود غرضی نہیں ہوتی۔''

''وہ بالآخر وان فاتح سے متنفر ہوئی تھی اور تم اس موقع کو استعمال کر سکتے تھے۔ اف ایڈم' اف۔'' داتن نے مٹھیاں بھینچیں۔ ''فاتح سب بھلا چکا ہے' وہ اب کبھی یقین نہیں کرے گا کہ عصرہ اس کی بیٹی کی قاتل ہے۔ وہ دونوں میاں بیوی اب صلح کر چکے ہیں۔ تالیہ اپنی زندگی میں واپس آ سکتی ہے۔ تم اس کو اس زندگی میں نہ دھکیلو جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے۔''

''ان کو وان فاتح سے محبت ہے۔ کسی کو unlove کرنا آسان نہیں ہوتا' داتن۔ آسان کیا' یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔''

''مگر چھوڑا تو جا سکتا ہے نا۔ تم اسے فاتح کو چھوڑنے دیتے۔ یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''کیونکہ میں سچا انسان رہنا چاہتا ہوں' داتن۔'' وہ زخمی مسکراہٹ سے بولا۔''اور سچا انسان خوشی اور غمی' دونوں حالتوں میں سچ بولتا ہے۔ورنہ عبادت تو منافق بھی کرتے ہیں اور اللہ کو مشرک بھی مانتے ہیں۔لیکن ایمان صرف سچ بولنے سے آتا ہے۔میں نے فاتح صاحب کی حمایت نہیں کی۔میں نے صرف سچ بولا ہے۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا تو داتن نے دیکھا کہ اس کے کندھے ڈھلکے ہوئے تھے اور چہرے پہ بے پناہ تکلیف تھی۔

''تم جانتے ہو تمہارا یہ سچ اسے عصرہ کو فاتح کی زندگی سے نکالنے اور اپنی جگہ حاصل کرنے کی امید تھما دے گا۔اور تمہاری تکلیف بڑھ جائے گی۔''

''ہمارے اللہ نے سچائی کے ساتھ فوری راحت کا وعدہ کیا بھی نہیں ہے۔سچائی میں بقا ہے' کامیابی ہے' دل کا سکون ہے' مگر ضروری نہیں ہے کہ اس میں خوشی بھی ہو۔سچائی قیمتی چیز ہے اور قیمتی چیزوں کے لیے تکلیفیں جھیلنی پڑتی ہیں۔''

وہ یہ کہہ کے آگے بڑھا اور زمین پہ گرا کاغذ اٹھایا۔تہیں کھول کے اسے سیدھا کیا اور جیب میں ڈال دیا۔

''جو میں نے ملاکہ میں سیکھا ہے' میں سے بھلانا نہیں چاہتا کیونکہ مجھے یاد کروانے والا کوئی نہیں آئے گا۔''

''اور کیا وان فاتح نے خود بھی ملاکہ میں کچھ سیکھا تھا؟'' وہ تندہی سے بولی۔

''بالکل۔مگر انہیں تب بھی یہ معلوم نہیں تھا جب ان کی یادیں ان کے پاس تھیں اور نہ اب معلوم ہے۔'' وہ داتن کو دیکھے بغیر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

حالم کا بنگلہ اب خاموش تھا اور ایڈم سامنے سڑک پہ چلتا جا رہا تھا۔اس کے کندھے ڈھلکے تھے اور چہرہ مغموم تھا۔

داتن نے اتنے دن سے اس کے اندر ناممکن کی امید جگا دی تھی۔مورخ کو شہزادی مل سکتی تھی۔اگر مورخ شاہی قبا پہن لے اور دربار میں اعلیٰ عہدہ حاصل کر لے تو وہ شہزادی کے قابل ہو جائے گا۔لیکن جانے کیوں شہزادیوں کو صرف غلام ہی پسند آتے تھے۔

اس کا بہت مشکل سے تندرست ہوتا دل ایک دفعہ پھر سے بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔

وہ ساری دنیا بھی پھر لے' یا سارے زمانے کی کتابیں پڑھ لے' اسے تالیہ مراد جیسی لڑکی کبھی نہیں ملے گی۔

تالیہ مراد سے زندگی میں آپ ایک دفعہ ہی ملتے ہیں اور پھر اس جیسی محبت دوبارہ کسی سے نہیں کر سکتے۔

☆......☆......☆

تالیہ اوپر اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے بیٹھی تھی۔سنہری بال اب کھول کے شانوں پہ پھیلا رکھے تھے اور چبھتی نظریں اپنے عکس پہ جمی تھیں۔مدھم لیمپ کے باعث کمرہ نیم اندھیر سا تھا۔وہ عکس کو دیکھنے کے باوجود نہیں دیکھ رہی تھی۔ذہن کے پردے پہ وہ سارے لمحے چل رہے تھے جب وہ عصرہ سے پہلی دفعہ ملی....وہ فاتح کو لے کر اس ملک سے جانے کے لئے کتنی بے چین تھی۔اس نے تالیہ کو فائل

والے قصے میں پھنسانے کی بھی کوشش کی اور اب جب وہ ایک دم اچھی ہوگئی تو کیا تھا جو تالیہ مراد کو اس سے بے زار کر رہا تھا؟ شاید وہ اب خود سچ بولنے لگی تھی اور سچے لوگوں کو قدرت کی طرف سے یہ رعایت مل جاتی ہے کہ انہیں جھوٹوں کے جھوٹ ہضم نہیں ہوتے۔

''عصرہ محمود....تم نے ایک پیاری سی بچی کو کیوں مارا؟ تم اصل میں کون ہو؟ کیا چاہتی ہو؟ کیا مجھے تمہارے پیچھے آنا چاہیے یا وان فاتح کو اس کے حال پہ چھوڑ دینا چاہیے؟''

اس نے سنگھار میز پہ رکھا فون اٹھایا اور اسکرین روشن کی تو ذوالکفلی کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

''وان فاتح کی یاداشت سے چند قطرے کم ہوئے ہیں۔ اسے ابھی کچھ یاد نہیں آئے گا سوائے ٹوٹے خیالوں اور بکھرے خوابوں کی صورت کے۔ چناؤ کا اختیار اب بھی تمہارے پاس ہے' پتری تالیہ۔ تم اس بوتل کو تلف کر کے اس کے ذہن کی تختی کو صاف کر سکتی ہو۔ کیونکہ جیسے جیسے اسے اگلے سوالوں کے جواب ملیں گے' اس کی تکلیف بڑھتی جائے گی۔ تمہاری تکلیف اور تمہارے خوابوں نے تمہیں دیوانہ کر کے قدیم ملاکہ میں پہنچا دیا تھا۔ سوچو اس کے خواب اس کے ساتھ کیا کریں گے؟''

اس نے دھیرے سے فون رکھ دیا۔ پھر پلکیں اٹھا کے اپنے عکس کو اجنبیت سے دیکھا۔

اسے اپنی خواب دیکھنے کی صلاحیت واپس کب ملی تھی؟ جب اس نے سات برس پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے ماضی کو بھلا کے اس شخص کو اہم جانے گی جو اب اس کے ساتھ ہے۔ اس کا شوہر۔

سات برس اس کے خواب اسے چابی کا راستہ دکھاتے رہے تھے اور ماضی کے وہ چند ٹکڑے جو اس کو آج تک دکھائی دیے تھے وہ ائیر پوٹ پہ کیے اس ایک فیصلے کا نتیجہ تھے۔

اس کا کیا مطلب تھا؟

یہی کہ تالیہ مراد نے آج تک مکمل طور پہ ان تین سوالوں کے جواب نہیں پائے تھے۔ اور آج اسے ان کو پانا تھا۔

لیمپ کی مدھم زرد روشنی کمرے میں بکھری تھی اور شہزادی اسٹول پہ بیٹھی اپنے عکس کو تکے جا رہی تھی۔

(انسان کی زندگی میں سب سے اہم شخص کون ہونا چاہیے؟

انسان کی زندگی میں سب سے اہم کام کون سا ہونا چاہیے؟

کسی کام کو کرنے کا سب سے اہم وقت کون سا ہونا چاہیے؟)

''تم خود سب سے اہم ہو' تالیہ۔'' اندر سے کسی نے جھنجھوڑا۔ ''تمہیں وان فاتح کو چھوڑ کے کچھ عرصہ انڈر گراؤنڈ چلے جانا چاہیے یا کسی دوسرے ملک۔ تمہارے خلاف تفتیش شروع ہو چکی ہے۔ بھاگ جاؤ یہاں سے تالیہ۔''

(انسان کی زندگی میں سب سے اہم شخص کون ہونا چاہیے؟)

اس نے فون اٹھایا اور کال ملا کے اسپیکر آن کیا۔ پھر آئینے میں خود کو دیکھتی' موبائل ہتھیلی پہ اٹھائے بولی۔

''میں ان یادداشتوں کو تلف کر کے یہاں سے نہیں بھاگوں گی ۔ مجھے ان سے ہزار گلے ہیں' ذوالکفلی' مگر جس شخص سے وفاداری کا عہد کیا تھا' جس کی کیمپئن مجھ پہ انحصار کر رہی ہے' میں الیکشن سے پہلے ان کو چھوڑ جاؤں؟ ہرگز نہیں۔ میں ان کو نہیں چھوڑوں گی۔ وہ میرے لئے اس وقت سب سے اہم ہیں۔ خود سے بھی زیادہ۔''

(انسان کی زندگی میں سب سے اہم کام کون سا ہوتا ہے؟)

''پتری تالیہ....اس کے ساتھ رہنا تمہارے اوپر مصیبتیں لا سکتا ہے۔'' وہ فکرمند تھا یا شاید بن رہا تھا۔

''تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ اور اس وقت اپنے ساتھ موجود شخص کو بھلائی پہنچانا میرے لئے سب سے اہم ہے۔'' وہ اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے تکلیف سے بولی۔ نگاہوں کے سامنے اپنی تمام شناختیں' تمام چہرے' حلیے' اور چوریاں گھوم گئیں۔ اگر تفتیش کرنے والوں نے پیچھا نہ چھوڑا تو....؟

مگر اس نے سر جھٹک دیا۔

''میں تمہارے لئے فکرمند ہوں' تالیہ۔ تم اس کی یادداشتیں تلف نہ کرو مگر ابھی انڈر گراؤنڈ ہو جاؤ۔ وہ وزیرِ اعظم بن جائے' دس ماہ یا سال کے اندر اندر تم واپس آ جانا اور اس کی مدد کرنا۔''

(انسان کی زندگی میں کسی بھی کام کا سب سے اہم وقت کون سا ہوتا ہے؟)

''نہیں ذوالکفلی۔'' شہزادی نے خود کو دیکھتے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''جو کرنا ہے ''ابھی'' کرنا ہے۔''

''تالیہ....'' وہ جیسے غمگین ہوا۔ ''کاش تم نے اپنے تینوں سوالوں کے جواب نہ حاصل کیے ہوتے۔ تم نے اپنی زندگی مزید مشکل بنا دی ہے۔''

''میرے ماضی میں ایسا کچھ نہیں ہے جس کو یاد کرنے سے مجھے فرق پڑے یا وہ مجھے پہلے سے معلوم نہ ہو۔ میری فکر مت کریں۔''

اس نے بے نیازی سے کہہ کے فون رکھ دیا۔ پھر برش اٹھا کے آہستہ آہستہ بالوں میں پھیرنے لگی۔

ویسے بھی ایک بچی کے بچپن کے چند فراموش کردہ سالوں میں ایسا کیا ہو سکتا تھا جو اب اس کی زندگی پہ اثر انداز ہو؟ وہ اتنی دور نکل آئی تھی کہ اب اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔

یہ تالیہ بنتِ مراد کی خوش فہمی کی آخری رات تھی۔

☆......☆......☆

فاتح کی آنکھ فجر کے قریب ایک جھٹکے سے کھلی۔ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا۔ پہلے تو ماؤف ہوئے ذہن سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کہاں تھا؟ اپنے گھر کے ماسٹر بیڈروم میں۔ اے سی کی ٹھنڈ میں.... بے خبر سوئی عصرہ کے قریب....اس نے گہری سانس لی۔

تو وہ سب خواب تھا مگر عجیب سا خواب تھا۔

اس نے خود کو جنگل میں دیکھا تھا۔ حبس اور گرمی میں پسینے سے شرابور....درختوں کے درمیان ایک گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھی روتی ہوئی لڑکی....سنہرے بال...کیچڑ آلود کپڑے....وہ اسے کہتا ہے Make a wish اور وہ کہتی ہے کہ اسے چاکلیٹ کھانی ہے تب وہ اسے وہ پھل دیتا ہے۔ اس پھل کی خوشبو اسے اب تک محسوس ہو رہی تھی۔

اور جنگل کی گرمی بھی۔

وہ باتھ روم میں آیا اور آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے چہرے پہ پانی ڈالا۔ خواب ابھی تک ذہن میں تازہ تھا۔ وہ لڑکی تالیہ تھی' اور وہ پھل....پھل نہ جانے کون سا تھا۔ مگر وہ اپنی چیف آف اسٹاف کو خواب میں کسی فینٹسی ورلڈ میں کیوں دیکھ رہا تھا؟

یا اللہ' کیا یہ بڑھتی عمر کا اثر تھا یا ایک خوبصورت عورت کے ساتھ کام کرنے کا نقصان؟

اس نے سر جھٹکا اور زور سے تولیے سے چہرہ رگڑا۔ شاید اسے ڈر تھا کہ اس خواب کا نشان کوئی اس کے چہرے پہ نہ دیکھ لے۔

صبح ناشتے کی میز پہ وہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس' پلیٹ کی طرف متوجہ تھا اور عصرہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جوڑا باندھے' کانوں میں موتی پہنے' نیلے اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس تھی۔ خود بھی کہیں جانے کے لیے تیار لگتی تھی۔ آج کل اس کی مصروفیات بھی بڑھ گئی تھیں۔

''تم نیند میں ڈسٹرب لگ رہے تھے۔'' دفعتاً اس نے تربوز کا شربت گلاس میں انڈیلتے ہوئے غور سے وان فاتح کو دیکھا۔

اس نے پلیٹ پہ جھکے' چھری کانٹے سے انڈا توڑتے ہوئے شانے اچکائے۔

''اچھا....مجھے پتہ نہیں چلا۔''

(ہاں تمہیں پتہ نہیں چلا کہ تم نیند میں ''Make a wish , Taliyah'' بڑبڑا رہے تھے؟) اس نے اندر ہی اندر بل کھاتے سوچا مگر بظاہر مسکراتی رہی۔

''مجھے لگا کوئی برا خواب دیکھ لیا ہے۔''

''مجھے کھلی آنکھوں والے خوابوں کی عادت ہے۔'' مسکرا کے شانے اچکائے تو عصرہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

(تردید نہیں کی۔ واہ۔)

بچے اسکول جا چکے تھے' اس لئے وہ دونوں ناشتے کی طویل میز پہ تنہا بیٹھے تھے۔ ملازم ناشتہ لگا کے ہٹ چکے تھے۔ کھڑکی سے باہر اس کی کار کے ساتھ ڈرائیور قمر (جو آدھا باڈی مین بھی تھا) اور گارڈز کھڑے نظر آتے تھے۔

''تالیہ آج نہیں آئی۔ وہ اب اکثر نہیں آتی۔'' عصرہ نے کھڑکی کو دیکھتے ہوئے کان کے موتی پہ انگلی پھیرتے پوچھا۔

''اشعر تاشہ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ میں نے کل اسے کہا کہ وہ اس سے بات کر لے۔'' اس نے صرف تالیہ کا نام سنا تو جیسے بتانا یاد آیا۔

''اس کا نام تالیہ ہے' فاتح.... اور وہ تو شادی شدہ ہے۔ نہیں؟'' تحمل سے یاد دلایا۔

''اس نے ایک روز مجھے بتایا تھا کہ اس کی شادی ختم ہونے والی ہے۔''

''چلو اچھا ہے کہ وہ اپنے مسئلے بتاتی رہتی ہے۔ اچھے کولیگز کو ایک دوسرے کا یونہی خیال رکھنا چاہیے۔'' مسکرا کے سادگی سے کہہ رہی تھی۔ فاتح اب نیپکین سے ہاتھ پونچھ رہا تھا۔ اس کی نظریں پلیٹ پہ تھیں اور عصرہ کی چبھتی نظریں اس کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''میرا فون چارج ہو گیا ہو تو لے آؤ۔'' وہ کرسی دھکیل کے اٹھا اور کوٹ پہنتے ہوئے یاد دلایا۔ عصرہ کی بات کو نظر انداز کیا۔ مگر وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی تھی۔ کوئی تو چور تھا وان فاتح کے دل میں۔

وہ اندر آئی اور اس کا فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اٹھایا۔ چارجر پن نکالی تو اسکرین روشن ہوئی۔ عصرہ نے لمحے بھر کو سوچا' پھر گول بٹن دبایا۔ پرانا پاسورڈ درج کیا۔ 2580۔ اوپر سے نیچے قطار کی صورت۔ مگر فون نے کھلنے سے انکار کر دیا۔

''تم نے پاسورڈ بدل دیا ہے فون کا؟ مجھے کال کرنے کے لئے کھولنا پڑا تو کھلا نہیں۔''

''پتہ نہیں۔ تاشہ پاسورڈز بدلتی رہتی ہے اور اینٹی وائرس ڈالتی رہتی ہے تاکہ فون ہیک نہ ہو۔ میں تو فنگر پرنٹ سے کھولتا ہوں۔'' اس نے سرسری سا کہتے ہوئے فون لیا اور لاپرواہی سے جیب میں ڈالتا' کوٹ کی نادیدہ سلوٹیں درست کرتا آگے بڑھ گیا۔ عصرہ طنزیہ مسکرا دی۔

اس کے جانے کے بعد وہ کمرے میں آئی' دروازہ بند کیا' اور غصے سے کلپ نوچ کے دیوار پہ مارا۔ سارے بال آبشار کی طرح کمر پہ گرتے چلے گئے۔

''تاشہ...تاشہ...تاشہ...'' اس نے دونوں مٹھیاں کنپٹیوں پہ رکھ لیں اور گھٹا گھٹا سا چلائی۔ ''میری آدھی عمر آریانہ سنتے بیت گئی اور اب یہ تاشہ....''

دیوار پہ لگے بیضوی آئینے میں وہ غیض و غضب کی تصویر بنی نظر آ رہی تھی۔

''وہ سمجھتا ہے کہ تالیہ اور اس کے درمیان جو بھی چلتا رہے' وہ میرے سامنے اپنا ''ایماندار اور سچا'' امیج قائم رکھے گا؟ وہ سمجھتا ہے کہ میں بے وقوف ہوں؟''

وہ قدم قدم چلتی قریب آئی اور اپنے عکس کو دیکھا۔ بھیگی آنکھوں نے کاجل کو پھیلا دیا تھا اور بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ اس نے کلینزر کی بوتل پوروں پہ انڈیلی اور پھر اسے آنکھوں تلے لگایا۔

''فاتح رامزل.....میں تمہارا پردہ چاک کر کے دکھاؤں گی۔بس اس الیکشن کو گزر جانے دو۔''

وہ ٹشو سے اب آنکھ کے کنارے صاف کر رہی تھی۔

''میں بے وقوف عورتوں کی طرح روز روز تم پہ شک نہیں کروں گی۔ میں ثبوت کے ساتھ ایک ہی دفعہ تمہیں شرمندہ کروں گی ۔تب تک جتنے تعلقات نبھانے ہیں تالیہ مراد سے نبھا لو۔'' رگڑ کے کاجل صاف کیا تو آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔

''اور تالیہ مراد.....میں نے تمہیں سمجھنے میں دیر کر دی۔'' وہ اب سنبھلی ہوئے انداز میں بالوں کو واپس لپیٹ رہی تھی۔

''میں نے تمہیں اپنی دوست بنایا تا کہ تم اشعر کی زندگی کی ساتھی بن سکو لیکن تم تو میرے ہی ساتھی کے پیچھے پڑ گئیں۔میری نظروں سے کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔یاد رکھنا' فاتح صرف عصرہ کا رہے گا۔اگر نہیں تو پھر کسی کا نہیں ہو سکے گا۔''

اس نے کس کے جوڑا بنایا' پھر چہرے پہ میک اپ فکسر کو اسپرے کیا اور مسکرائی۔خوبصورت سیاسی بیوی کی رسمی مسکراہٹ۔اور پرس اٹھا لیا۔

وہ آج پھر ایک جگہ مدعو تھی اور اسے اپنے اس کردار کو بخوبی نبھانا تھا۔

وان فاتح کے لئے نہیں۔خود اپنے لئے۔

☆......☆......☆

لفٹ اوپر کی طرف گامزن تھی۔بار یسن نیشنل کا آفس چند منزلیں دور رہ گیا تھا۔اندر تنہا کھڑی تالیہ منزلوں کے بدلتے نمبرز دیکھ رہی تھی۔اے لائن قمیض کے اوپر اس نے سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا اور بالوں کی مانگ نکال کے پونی بنا رکھی تھی۔چہرہ مطمئن اور پرسکون تھا۔وہ اچھی نیند لے کر اٹھی تھی اور کسی خواب' کسی یادداشت نے اسے نہیں ستایا تھا۔

لفٹ کے دروازے کھلے تو اس نے آفس کی لابی میں قدم رکھا۔سامنے ریسپشن ڈیسک پہ اس کی جانب پشت کیے کھڑا اشعر ریسپشنسٹ سے کچھ کہہ رہا تھا۔کسی خیال کے تحت مڑا تو تالیہ پہ نظر پڑی۔

وہ بھی اس کے عین سامنے آ کے رک گئی۔نظریں اس کی گردن پہ لگے کٹ پہ ٹھہر گئیں۔پھر اس کے چہرے کو دیکھا۔

اشعر محمود کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔وہ خاموشی سے راستہ دینے کے لئے ہٹ گیا تو وہ آگے بڑھ گئی۔اشعر بھی پیچھے آیا۔وہ یقیناً اپنے آفس جا رہا تھا۔

تالیہ آگے چلتی اس کے ہی آفس کے دروازے پہ جا رکی اور پھر اس کی طرف گھومی۔

وہ چونکا۔

''کل رات کے لئے سوری' ایش۔'' وہ مصالحتی مگر سنجیدہ انداز میں بولی۔''مجھے اتنی جارحیت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

وہ دونوں اس کے آفس کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے اور فی الوقت راہداری میں کوئی نہ تھا۔

''بالکل۔آپ کو نہیں کرنا چاہیے تھا مگر....'' وہ اس کی معذرت پہ متعجب ہوا تھا۔''آپ کا غصہ فطری تھا۔''

''خیر...اب وہ معاملہ سیٹل ہو چکا ہے۔میں نے عصرہ سے بات کر لی تھی۔وہ بھی اپنے عمل پہ شرمندہ تھیں۔ان کو افسوس ہے کہ انہوں نے آپ سے ایسا کام کیوں کروایا۔'' وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔

اشعر نے گہری سانس بھری۔

''ان کا قصور نہیں ہے' وہ صرف....''

''قصور آپ دونوں کا ہے' ایش۔مجھے گلہ صرف یہ ہے کہ آپ لوگ ڈائریکٹ صوفیہ رحمٰن کے پاس چلے گئے۔اگر آپ کو مجھ سے مسئلہ تھا تو آپ میرے پاس آتے' ایک دفعہ تو مجھ سے کہتے کہ تالیہ تم یہ جاب چھوڑ دو' ہم تمہیں اپنے اردگرد برداشت نہیں کر سکتے۔کہہ کے تو دیکھتے۔''

وہ دکھ سے بولی تو اشعر نے مزید تعجب سے اسے دیکھا۔

''میں آپ سے یہ کہتا تو آپ کیا کرتیں؟''

''میں کیا کرتی؟'' وہ دو قدم آگے آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

''میں آپ کی شہ رگ پہ خنجر رکھ کے کہتی کہ تالیہ مراد اس آفس سے کہیں نہیں جا رہی' اور اگر کسی نے اسے نکالنے کی کوشش کی تو وہ جان سے جائے گا۔'' پھر اس کی گردن کی طرف اشارہ کیا۔''مگر اس کے لئے سوری۔''

اشعر کا تعجب عنقا ہوا۔لبوں پہ زخمی مسکراہٹ در آئی۔لمحے بھر کو اس کا معذرت خواہانہ انداز دیکھ کے اسے عجیب سا لگا تھا مگر تالیہ ویسی ہی تھی' جیسی ہمیشہ ہوتی تھی۔دیکھ کے اچھا لگا تھا۔

وہ آگے بڑھ گئی تو اس نے بشاشت سے پکارا۔

''کانفرنس روم میں آجایئے' چے تالیہ۔باس پہنچنے والے ہیں۔ایک ضروری امر زیرِ غور ہے۔''

وہ مڑی نہیں' بس سر ہلا کے آگے چلتی گئی۔

☆......☆......☆

سوپ پارلر اس صبح قدرے ویران پڑا تھا کیونکہ ''ملے'' دیر سے بیدار ہونے والی قوم تھی اور ایسی جگہوں پہ رش دوپہر کے بعد ہی بڑھتا تھا۔فی الوقت میزیں خالی خالی دکھائی دے رہی تھیں۔ایسے میں ریسپشنسٹ ہو یا موپ لگا تا لڑکا' سب کنکھیوں سے درمیانی میز پہ بیٹھے بوڑھے شیف کو دو نوارد آدمیوں سے بات کرتے دیکھ رہے تھے۔

پراسیکیوٹر احمد نظام آگے کو جھکے شیف کی آنکھوں کو پڑھ رہے تھے اور ساتھ بیٹھا انویسٹی گیٹر باری باری دونوں کو دیکھتا تھا۔
بوڑھا شیف ہاتھ میں پکڑی انلارج تصویر کو دیکھ رہا تھا۔
'یہ لڑکی.... آپ پوچھ رہے ہیں کہ یہ ہمارے پاس کام کرتی تھی یا نہیں؟''
''میں کورٹ سے ایک آرڈر لا کے آپ کے ریستوران کے اردگرد تمام دکانوں کے سی سی ٹی وی فوٹیج نکلوا سکتا ہوں' شیف صاحب۔لیکن میں نے سوچا کہ پہلے آپ سے پوچھ لوں تاکہ....''
''تو پوچھیے نا۔'' شیف نے مسکرا کے تصویر واپس رکھی اور پیچھے کو ہو کے بیٹھا۔
''یہ لڑکی تالیہ مراد اس ریستوران میں جاب کرتی تھی کیا؟'' پراسیکیوٹر نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھا۔
''جی۔ بالکل۔اس نے چند ماہ یہاں جاب کی تھی۔کیا آپ کو کاغذی ثبوت بھی فراہم کردوں؟''
شیف کا جواب پراسیکیوٹر کے لئے غیر متوقع تھا۔انہوں نے چونک کے انویسٹی گیٹر کو دیکھا۔وہ بھی سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔
''بالکل۔مجھے تمام ڈیٹا چاہیے۔ایک ایک چیز۔''
''میں ہر چیز نکال لاتا ہوں۔اور ہاں....وہ اس ریستوران کے علاوہ تنکو کامل کے گھر بھی کام کرتی تھی۔ان سے واقف ہیں آپ؟ وہ ان کی ملازمہ تھی۔''
''نہیں۔ان کا کوئی ایڈریس وغیرہ ہے آپ کے پاس؟'' پراسیکیوٹر احمد نظام بالکل سیدھے ہو چکے تھے۔ان کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔
''بالکل ہے۔میں ابھی لاتا ہوں۔'' شیف سادگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔
ریسپشنسٹ' سوئیپرز' ویٹرز سب کنکھیوں سے ان افراد کو دیکھ رہے تھے جو اب دبی دبی پر جوش سرگوشیوں میں مصروف ہو چکے تھے۔بالآخر ان کے ہاتھ ایک ٹھوس کلیو لگا تھا۔

☆......☆......☆

کانفرنس روم میں اس وقت محض وہ تینوں موجود تھے۔فاتح شرٹ کی آستین موڑے' ٹائی ڈھیلی کیے کھڑا دیوار پہ نصب اسکرین کو دیکھ رہا تھا جبکہ تالیہ اور اشعر اس کے دائیں بائیں کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔آفس کی ایک مصروف صبح کا آغاز ہو چکا تھا اور اسکرین پہ حاکمی کو دکھایا جا رہا تھا۔حاکمی درمیانے قد اور اڑے اڑے بالوں والا سیاستدان تھا جو پارٹی انتخابات میں وان فاتح کا مخالف امیدوار تھا۔
باریسن نیشنل کے صدر کے لئے ہر پانچ سال بعد الیکشن (چناؤ) منعقد کیا جاتا تھا۔جو شخص صدر بنتا' پارٹی کی حکومت آنے پہ اسی کو وزیرِ اعظم بنایا جاتا تھا۔چونکہ پارٹی اس وقت اپوزیشن میں تھی' اس لئے سرکاری ٹی وی چینلز بی این کے انتخابات کی کوریج نہیں کرتے تھے۔یہ انتخابات عام انتخابات کی طرح پولنگ اسٹیشنز پہ بیلٹ پیپر کے ذریعے نہیں ہوتے تھے بلکہ اس میں صرف ان ڈھائی لاکھ لوگوں نے

حصہ لینا تھا جو پارٹی کے ممبرز تھے۔

الیکشن والے دن ان ممبرز نے اپنے فون سے پارٹی کی ویب سائٹ پہ جا کے اپنا شناختی کارڈ نمبر درج کر کے کسی ایک امیدوار کو ووٹ دینا تھا۔ چونکہ یہ انتخاب سوشل میڈیا کے ذریعے ہونا تھا' اس لئے اس کی ساری مہم بھی سوشل میڈیا پہ چلائی جا رہی تھی۔ اس وقت اسکرین پہ ان کے سامنے حاکمی کے فیس بک پیج پہ اپ لوڈ کی گئی ایک ویڈیو دکھائی جا رہی تھی جس میں حاکمی اور اس کی بیوی ایپرن پہنے کسی مسجد کے باہر گھاس پہ کھڑے چاول پلیٹوں میں بھر بھر کے بچوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ یہ کسی چیریٹی ایونٹ کی ویڈیو تھی جس میں (بقول رپورٹ کے) وہ میاں بیوی باقاعدگی سے حصہ لیتے تھے۔ کمیونٹی سروس کی اس خوبصورت مثال کو وہاں ہجوم میں کھڑے لگے لوگ سراہ رہے تھے۔ باری باری یتیم بچے اپنا پیالہ لاتے اور سیاستدان صاحب مسکرا کے اس کو چاولوں سے بھر دیتے۔

ہر گزرتے بچے کے ساتھ وان فاتح کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔

اشعر نے ریموٹ اٹھا کے اسکرین بجھائی اور کرسی فاتح کی طرف گھمائی جو ناخوش لگ رہا تھا۔

''حاکمی کبھی یتیم خانوں کا دورہ نہیں کرتا۔ میں اسے جانتا ہوں۔''

''ہم سب اسے جانتے ہیں' آبنگ۔ مگر آپ کی چائے والی ویڈیو اتنی مشہور ہوئی کہ حاکمی کو یہ اسٹنٹ کرنا پڑا۔''

''یعنی حاکمی نے ہماری نقل کی ہے۔ واؤ۔'' وہ سر جھٹک کے بولی تو فاتح نے نظروں کا رخ پھیر کے اسے دیکھا۔ وہ سنہرے بالوں کی بیچ کی مانگ نکال کے پونی بنائے' سیاہ کوٹ میں سنجیدہ سی لگ رہی تھی۔

اس کے ذہن میں صبح دیکھا گیا خواب ابھرا۔ کیچڑ اور سرخ مٹی سے لت پت چہرے والی تالیہ جسے وہ جھک کے کہہ رہا تھا۔

کوئی خواہش کرو۔

اس پھل کی خوشبو ابھی تک اس کے نتھنوں میں محسوس ہوتی تھی....

فاتح نے سر جھٹکا اور میٹنگ پہ توجہ دی۔

تالیہ کہہ رہی تھی۔ ''اور اب حاکمی کی ویڈیو بھی مشہور ہو رہی ہے۔ سوشل میڈیا پہ لوگ اچھی چیز کم اور مشہور چیز زیادہ دیکھتے ہیں۔''

''ہاں تو ٹھیک ہے۔'' اشعر نے ہاتھ جھاڑے۔ ''ہم کوئی نیا اسٹنٹ کر لیتے ہیں' جو اس ویڈیو کو ماند کر دے۔''

مگر فاتح نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے کھڑا وہ اکتایا ہوا لگتا تھا۔

''کسی کی لکیر کو چھوٹا کرنے کے لئے اسے کاٹنا ضروری نہیں ہوتا۔ اس سے بڑی لکیر لگانی پڑتی ہے۔ اس سے مقابلے کی بجائے اس سے بہتر کام کرنے کی کوشش کرو۔'' وہ ناخوشی سے کہہ کے مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

اشعر نے بے اختیار تالیہ کو دیکھا۔

"میں یہی تو کہہ رہا تھا۔ ہم اس سے بہتر اسٹنٹ کر سکتے ہیں۔"

وہ سر جھکائے فولڈر میں کاغذات ڈالنے لگی۔ "ان کو اسٹنٹ کرنا پسند نہیں ہے۔ ہم ان کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔"

"چائے کا اسٹال بھی تو ہم نے ان کو بغیر بتائے منتخب کیا تھا' چے تالیہ۔"

"تب ہم ٹیم تھے اور ہم میں سے کسی ایک نے دوسرے سے غداری کی کوشش نہیں کی تھی۔" کھٹاک سے فولڈر بند کیا اور چیخ کے بولی۔

"وان فاتح نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں آپ سے بہتر تعلقات کا خواہاں ہوں تو مجھے آپ سے سچ بول کے تمام معاملات درست کر لینے چاہئیں۔ پہلی دفعہ میں نے ان کی نصیحت مانی اور اس کا نقصان ہی ہوا۔" وہ تلخ ہوا۔

(بہتر تعلقات؟) وہ لمحے بھر کو سن رہ گئی۔ اشعر نے پہلی دفعہ اتنے ڈائریکٹ انداز میں بات کی تھی۔ تو کیا وہ اور فاتح اسے ڈسکس کرتے رہے تھے؟

"یہ نصیحت آپ کو وان فاتح نے کی تھی؟" اس کے گال سرخ ہوئے۔

"بالکل۔ آپ ان سے کنفرم کر لیجیے۔" وہ تلخی سے کہہ کے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔

باہر نکلا تو فاتح راہداری میں چلتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی فون پہ کچھ ٹائپ بھی کر رہا تھا۔ کنکھیوں سے اسے آتے دیکھا تو سرسری سا پوچھا۔

"تم نے تاشہ سے اپنے معاملات درست کر لیے؟"

"نہیں۔ مزید بگڑ گئے ہیں۔ اب وہ میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

اشعر کڑواہٹ سے کہہ کے آگے بڑھ گیا تو وہ چونک کے اسے جاتے دیکھنے لگا۔

صبح تک اسے لگا تھا کہ 'اشعر اور تالیہ' کا ایک ہونا "ممکن" ہے مگر یہاں تو....؟

خیر.... اسے دکھ نہیں ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔ محض شانے اچکائے اور اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے پہ وہ ٹھہرا۔ تالیہ کی میز کرسی اس کے آفس کے باہر بچھی تھی اور اس پہ اس کی چیزیں رکھی تھیں۔

وہاں کوئی مانوس خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ چونک کے میز کو دیکھا جس پہ ایک چھوٹی ٹوکری میں تین کوکو فروٹ رکھے تھے۔

کسی سحر زدہ لمحے کے زیرِ اثر فاتح نے ہاتھ بڑھایا اور ایک پھل اٹھایا۔ اس پھل کی کھردری جلد' رنگ.... سب وہی تھا۔

"کھائیں گے؟" تالیہ کی آواز پہ چونکا۔

وہ ہال کی چوکھٹ پہ کھڑی مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔ فاتح نے اونہوں کہتے ہوئے آہستہ سے پھل رکھ دیا۔

"یہ وہی پھل ہے نا جو تمہارا شوہر تمہیں بھیجتا ہے۔" سرسری سا پوچھا۔

وہ آگے آئی اور اپنی چیزیں میز پہ رکھیں۔ پھر ان کو ترتیب سے جوڑنے لگی۔ سر جھکانے سے سنہری پونی دائیں بائیں جھولنے لگی تھی۔

''جی۔ اسے لگتا ہے مجھے یہ بہت پسند ہیں۔''

''تو نہیں پسند کیا؟''

تالیہ نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔'' ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے جس میں وہ اچھی لگتی ہے۔ بار بار دہرانے سے وہ اپنا اثر کھو دیتی ہے۔ مجھے یہ پھل صرف تب اچھا لگا تھا جب.... خیر۔'' اس نے سر جھٹکا۔ جنگل والا واقعہ یاد آیا تھا۔

''جب؟''

''میری سالگرہ پہ اس نے مجھ سے میری خواہش پوچھی تو میں نے کہا کہ مجھے چاکلیٹ کھانی ہے اور اس نے یہ پھل لا دیا۔ اس کے اندر کا گودہ اس وقت چاکلیٹ جیسا لگا تھا۔ اب نہیں لگتا۔''

''اس نے چاکلیٹ کیوں نہیں دی؟''

تالیہ نے سر اٹھا کے اسے دیکھا اور سادگی سے بولی۔'' کیونکہ ہم اس وقت جنگل میں تھے' سر.... اور جنگلوں میں پسند کی چیزیں نہیں ملتیں۔''

لمحے بھر کو وان فاتح ساکت رہ گیا۔ پلک تک نہ جھپک سکا۔

عجیب De Ja vu جیسا احساس تھا جو اس کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا۔ کچھ ایسا ہی دیکھا تھا اس نے خواب میں؟

پھر بدقت وہ مسکرایا اور ''ہوں'' کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

(شاید اس نے مجھے یہ کہانی پہلے بھی سنائی ہو تبھی میرا لاشعور اسے خواب کی صورت میرے سامنے لے آیا ہو۔ میں چیزیں بھولنے لگا ہوں۔ شاید میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔) اس نے ذہن سے ہر خیال کو جھٹکتے ہوئے خود کو تسلی دی۔

جتنا وہ اس خواب کو یاد کرنے کی کوشش کرتا' اتنا وہ ذہن سے محو ہونے لگتا۔

تالیہ نے کنکھیوں سے اسے اندر جاتے دیکھا اور سوچا۔ (کیا اسے کچھ یاد آیا تھا؟ اس نے اسی پھل کے بارے میں کیوں پوچھا؟ شاید ایسے ہی۔) وہ مشکوک سی نظروں سے بند دروازے کو دیکھتی اپنی چیزیں جوڑ رہی تھی۔

☆......☆......☆

ایڈم بن محمد کے چھوٹے سے گھر کے باغیچے میں مرغی گھاس چگتی دکھائی دیتی تھی۔ اس کے چوزے اب بڑے ہو چکے تھے اور چوں چوں کرتے اس کے آگے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ برآمدہ خالی پڑا تھا اور راہداری کا دروازہ کھلا تھا۔ کچن سے مصالحوں کی خوشبو اور برتنوں کے کھڑکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

بھاری بھرکم داتن شاپنگ بیگز اٹھائے برآمدے میں کھڑی تھی۔ زور سے سلام جھاڑا تو ایڈم کی ماں تولیے سے ہاتھ پونچھتی راہداری میں آئی اور تعجب سے اسے دیکھا۔

''میں لیانہ صابری ہوں۔ ایڈم سے ملنا ہے۔''

ماں نے اچھنبے سے اس ڈھیلے سے جبے میں ملبوس فربہ عورت کو دیکھا جس کے گھنگریالے بال کندھوں تک آتے تھے اور وہ اسے دیکھ کے پلکیں جھپکا جھپکا کے مسکرائی تھی۔

''میں ایڈم کو بلاتی ہوں۔'' وہ اسے سر سے پیر تک دیکھتی اندر چلی گئی۔

ایڈم کاغذوں کا ڈھیر پھیلائے بیڈ پہ بیٹھا تھا۔ پین سے مختلف جگہوں پہ نشان لگا رہا تھا۔ ماں اس کے سر پہ جا کے غرائی۔

''یہ تم سے ملنے عجیب عجیب لوگ کیوں ہر روز چلے آتے ہیں؟''

''اب کون آیا ہے؟''

''ایک امیر سی عورت۔'' ماں کی نظروں میں اس کے ہاتھوں میں پکڑے ڈیزائنر شاپنگ کے بیگز گھوم گئے۔

ایڈم نے گہری سانس لے کر کاغذ اکٹھے کیے۔ لبوں پہ مسکراہٹ در آئی تھی۔

''وہ ایک شہزادیوں جیسی خوبصورت اور رحم دل لڑکی ہے' ایبو۔ اس میں عجیب کیا ہے۔''

پھر سر اٹھایا تو ماں بے یقینی سے اسے گھور رہی تھی۔ وہ چونکا۔

''چے تالیہ آئی ہیں نا؟'' ایبو نے دائیں بائیں گردن ہلائی تو وہ کاغذ چھوڑ کے تیزی سے باہر بھاگا۔

برآمدے میں آرام کرسی پہ داتن پیروں کی قینچی جمائے بیٹھی موسم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ میز پہ شاپنگ بیگ رکھے تھے۔

وہ کمر پہ ہاتھ جمائے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو دھوپ کا راستہ رک گیا۔

''یہ آپ کیا اٹھا لائی ہیں۔''

داتن نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''میں چاہتی ہوں کہ تم جتنے اچھے نظر آ سکتے ہو' اتنے نظر بھی آؤ۔''

ایڈم کے ہاتھ پہلوؤں میں جا گرے۔ حیران سا ہو کے اس کے سامنے کرسی کھینچ کے بیٹھا۔

''آپ مجھ سے کیا کروانا چاہ رہی ہیں۔''

''تم نے کچھ نہیں کرنا۔ تم اب ایک معروف اخبار کے رپورٹر ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم سیلیبریٹی رپورٹر بن جاؤ۔ ویسے تو اپنی کنسلٹنسی کی میں فیس لیا کرتی ہوں لیکن تم تالیہ کے دوست ہو تو تمہیں میں معاف کرتی ہوں۔''

شانِ بے نیازی سے ہاتھ جھلایا۔ ایڈم نے آنکھیں سکوڑ کے اسے دیکھا اور پھر آگے کو جھک کے ان بیگز میں جھانکا۔

''برانڈڈ سوٹ' جوتے' شرٹس' گھڑی۔ اور یہ ہیئر موز' پرفیومز۔ اف داتن.... اس سب کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ شرمندہ ہوا۔

''یہ سب ضروری ہے۔ اور اب تم میرے ساتھ میری دوست کے سیلون چل رہے ہو جہاں تمہارا نیا ہیئر کٹ کیا جائے گا' تمہیں گروم کیا جائے گا' تمہیں بڑے اینکرز کی طرح اوڑھنا پہننا سکھایا جائے گا۔ پھر تم جم جاؤ گے۔ گو کہ تم پتلے ہو مگر تمہیں شیپ میں آنے کی ضرورت ہے۔ اور پھر....''

''آپ مجھے چے تالیہ کے قابل بنانا چاہتی ہیں؟'' وہ زخمی سا مسکرایا تو داتن نے گہری سانس لی۔

''تم کسی بھی طرح وان فاتح سے کم نہیں ہو۔ کپڑوں جوتوں سے بہت فرق پڑتا ہے۔ ابھی وان فاتح کو عام سا لباس پہنا دو تو کوئی اسے دیکھے گا بھی نہیں۔''

''وہ جیا میں معمولی لباس پہن کے ہی چائے بنایا کرتے تھے اور چے تالیہ ان کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا کرتی تھیں۔''

اس کی مسکراہٹ کا زخمی پن گہرا ہوا۔ داتن نے گہری سانس لی اور آگے کو ہوئے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''تم ایمانداری سے اسے حاصل کرنا چاہتے تھے نا؟ ایمانداری میں مشقت ہے۔ اور قیمتی انسان مشقت کے بغیر نہیں حاصل کیے جا سکتے' ایڈم بن محمد۔ خود پہ محنت کرو اور اپنی ذات میں اعتماد لاؤ۔ اگر اس کے بعد بھی وہ تمہیں ٹھکرا دے تو قسمت کو الزام دینا' خود کو نہیں۔ کیونکہ جب انسان خود کو الزام دینے لگے تو رشتہ ٹوٹنے کے غم کو سروائیو کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

وہ چند لمحے اداسی سے اسے دیکھے گیا' پھر مسکرا کے سر ہلایا۔ ''اوکے۔ تو اب ہم سیلون چل رہے ہیں؟''

''ہاں' اب ہم سیلون چل رہے ہیں۔'' داتن بھی مسکرا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اگر اسے تالیہ کی نظروں میں خود کو کسی قابل بنانے کے لئے محنت کرنی تھی' تو وہ کرے گا۔

اگر زندگی چانس کا دوسرا نام ہے' تو ایک چانس وہ بھی لے گا۔ گھر سے نکلتے وقت اس نے طے کر لیا تھا۔

☆......☆......☆

وان فاتح کی رہائشگاہ کا گیٹ کھلا تھا اور اندر ایک کار جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ عصرہ محمود جو کہ ابھی ابھی تیار ہو کے پورچ میں آئی تھی' اندر آتی کار کو دیکھ کے وہیں ٹھہر گئی۔ ڈرائیور اس کے لئے دروازہ کھولے کھڑا منتظر تھا اور وہ اس کار کو رکتے ہوئے دیکھ رہی تھی جس کے اندر اشعر بیٹھا تھا۔

''تم کہیں جا رہی تھیں' کاکا؟''

وہ کار سے باہر نکلا اور اس کی طرف آیا۔ عصرہ کو دیکھتے ہی نظروں میں ستائش در آئی تھی۔ سبز اسکرٹ بلاؤز کے اوپر زرد اسٹول سر پہ اوڑھے' وہ کانوں میں ہیرے پہنے بہت باوقار لگ رہی تھی۔ آنکھیں البتہ مشکوک انداز میں اس پہ جمی تھیں۔

''ہاں۔ دن میں کئی جگہوں پہ جانا پڑتا ہے۔ تم اس وقت یہاں؟''

وہ ناشتے کے وقت آیا کرتا تھا یا رات میں۔ یوں کام کے اوقات میں کب آتا تھا۔

''فون پہ بات کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس لئے خود آ گیا۔'' ساتھ ہی اشعر نے ہاتھ کے خفیف سے اشارے سے ارد گرد کھڑے گارڈز اور ڈرائیور کو دور جانے کا کہا۔ وہ فوراً وہاں سے ہٹ گئے۔ اب وہ دونوں عصرہ کی کار کے ساتھ آمنے سامنے اکیلے کھڑے تھے۔

''وہ بہت ناراض ہے مجھ سے' کاکا۔ ہمیں اس کے خلاف یہ چال نہیں چلنی چاہیے تھی۔''

''کون؟'' عصرہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''تالیہ اور کون۔'' پھر وہ ٹھٹکا۔ ''اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے صبح اسے خود سارے معاملے سے آگاہ کر دیا ہے کہ صوفیہ رحمٰن کے پاس عثمان کو بھیجنے کا آئیڈیا آپ کا تھا۔''

''یا اللہ' ایش!'' عصرہ دنگ رہ گئی۔ ''میری تو اس سے کل سے بات ہی نہیں ہوئی۔''

اشعر نے گہری سانس لی۔

''مجھے شک پڑا تھا۔''

''ایش تم کیا کہہ رہے ہو۔ تالیہ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم اس کے خلاف تفتیش شروع کروا رہے تھے؟''

''ظاہر ہے میں نے بتایا تھا مگر آپ کا نام نہیں لیا تھا...'' اس نے سمجھ کے سر جھٹکا۔ ''اس نے خود ہی بھانپ لیا کہ اس میں آپ کا ہاتھ ہے۔ بہر حال ہمیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور.....''

لیکن عصرہ کی سوئی ایک ہی بات پہ اٹک گئی تھی۔

''تم نے اسے.....تم نے اسے خود بتا دیا؟'' اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''مگر کیوں' ایش۔''

اشعر نے کار سے ٹیک لگائی اور شانے اچکائے۔

''آبنگ نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں تو مجھے اس سے سچ بولنا چاہیے۔''

''سچ' مائی فٹ۔'' وہ ایک دم غصے سے غرائی۔ ''تم نے فاتح کو تو نہیں بتایا نا؟''

''نہیں....اور میرا نہیں خیال وہ ان کو بتائے گی۔''

''تم کس دنیا میں رہتے ہو اشعر محمود؟ یا اللہ.... یا اللہ!'' لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ عصرہ دبا دبا چلائی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اشعر کا منہ نوچ لے۔

''وہ دونوں تمہیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ وہ لڑکی یہاں کیریئر بنانے نہیں آئی۔ وہ فاتح بن رامزل کو حاصل کرنے آئی ہے۔

وہ....وہ مکار gold-digger میرے شوہر کے پیچھے ہے' تمہارے نہیں۔"

اشعر ایک دم سیدھا ہوا۔اس پہ جیسے کسی نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ دی تھی۔

"واٹ؟"

"تم ان کے ساتھ رہتے ہو اور تمہیں کچھ محسوس نہیں ہوا؟ کہاں گیا میرا عیار اور شاطر بھائی؟ اور کہاں سے آ گیا یہ بے وقوف مرد جس کی آنکھوں پہ تالیہ مراد نامی پٹی بندھ گئی ہے؟" وہ پھنکار رہی تھی اور وہ سن سا کھڑا تھا۔

"فاتح آبنگ اور تالیہ...." اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اپنی آنکھوں سے یہ پٹی اتارو اور اپنے اردگرد دیکھو' ایش۔ وہ دونوں ہمارے ساتھ کھیل کھیل رہے ہیں۔ جب اس نظر سے دیکھو گے تو سب سمجھ آ جائے گا۔" غصے سے بولتے ہوئے اس نے ڈرائیور کو آواز دی تو اشعر دھیرے سے ایک طرف ہٹا۔

"اپنی کار ہٹاؤ۔ مجھے ایک سیمینار میں جانا ہے۔ سارا موڈ برباد کر دیا تم نے میرا۔" وہ برہمی سے کہتی اب اندر بیٹھ رہی تھی۔

"اے سی چلاؤ۔ فل۔"

ڈرائیور نے کار باہر نکالی تو پیچھے بیٹھی عصرہ نے نخوت سے کہا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

اشعر کی بے وقوفی نے تالیہ مراد کو عصرہ محمود کی راہ دکھا دی تھی۔ تالیہ جانتی تھی کہ اشعر یہ کہانی عصرہ سے کنفرم ضرور کرے گا۔

یہ اس کی عصرہ کے لئے دھمکی تھی۔ وہ آخر کیا ثابت کرنا چاہتی تھی؟

اے سی کے باوجود عصرہ کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ ذہن کا پردہ خوف اور طیش کے بادلوں میں دھندلا ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

آج کے ایل پہ بارش نہیں برسی تھی اور فضا شدید حبس آلود تھی۔ بھری دوپہر میں باہر پھرتے لوگ پسینے میں پگھلتے دکھائی دیتے تھے۔ البتہ عمارتوں کے اندر اے سی کے باعث ماحول بہتر تھا۔

ایسے میں داتن اور ایڈم ایک ٹھنڈے ریستوران میں بیٹھے تھے۔ داتن مینیو کارڈ لئے آرڈر کر رہی تھی اور وہ سامنے بیٹھا سوچ میں گم دکھائی دیتا تھا۔ ویٹرس اس کے ساتھ کھڑی تھی اور آرڈر نوٹ کرتی جا رہی تھی۔ اس کی آستینیں چھوٹی تھیں اور گندمی بازو دکھائی دے رہے تھے۔

"اور کچھ لو گے؟" داتن نے فیاضی سے کارڈ رکھ کے اسے مخاطب کیا تو ویٹرس اس کی طرف گھومی۔ ایڈم مسکرا کے نفی میں سر ہلانے لگا' پھر چونکا اور لڑکی کے بازو کو دیکھا۔ اس پہ تین سرخ نشان تھے' جیسے کسی نے ہاتھ سے زور سے پکڑا ہو اور انگلیاں نشان چھوڑ گئی ہوں۔

"کسی نے مارا ہے تمہیں؟"

لڑکی چونکی۔فوراً اپنے بازو کو دیکھا اور پھر اسے پیچھے کر لیا۔

''آپ کچھ مزید لیں گے سر؟'' ذرا برہمی سے پوچھا تو ایڈم نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔وہ خفت سے اسے گھورتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

''ہر جگہ انویسٹی گیٹیو جرنلسٹ نہ بن جایا کرو' لڑکے۔'' داتن نے ٹوکا تو وہ سیدھا ہوا اور مسکرا کے شانے اچکائے۔

''کچھ عادتیں زندگی کے ساتھ ہی جاتی ہیں۔''

''اسی عادت نے تمہیں تالیہ مراد سے متعارف کروایا تھا۔تم نے بدلے ہوئے حلیے میں بھی پہچان لیا تھا کہ وہ تنکو کامل کی ملازمہ ہے۔تم اپنا آئی کیو ٹیسٹ کیوں نہیں کرواتے؟''

''تا کہ بے تالیہ کو متاثر کر سکوں؟ جانے دیں' داتن۔'' اس نے مسکرا کے پانی کا گلاس اٹھایا۔جانتا تھا داتن اس وقت اس کو تالیہ کے ساتھ سیٹ کرنے کی بھرپور کوشش میں لگی تھی۔

''ڈین براؤن کے ناولز میں ذہین لوگوں کا آئی کیو 170 یا 190 سے بھی اوپر ہوتا ہے' مگر شکر ہے تالیہ نے ڈین براؤن کو نہیں پڑھا۔اگر تمہارا 160 بھی ہوا تو وہ متاثر ہو جائے گی۔''

''آپ یہ سب کیوں کر رہی ہیں؟'' وہ سنجیدہ ہوا۔''ابھی آپ مجھے سیلون لے جائیں گی' پھر جم.....یہ سب کر کے آپ کو کیا ملے گا؟''

لمحے بھر کو میز پہ خاموشی چھا گئی۔پھر داتن نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''تالیہ کی زندگی میں صرف ایک آدمی تھا.......سمیع.....جو نہ اس کو جانتا تھا نہ اس سے محبت کرتا تھا۔پھر وان فاتح آیا جو اسے جان کے بھول گیا مگر محبت نہ کر سکا۔تم وہ پہلے انسان ہو جو اس کو جاننے کے باوجود اس کی محبت میں گرفتار ہو۔میں نہیں چاہتی کہ تالیہ اس انسان کو ایک الوژن کے پیچھے کھودے۔''

''اوکے۔ابھی سیلون کی اپائنٹمنٹ میں وقت ہے اس لئے آپ کو تھوڑا بریف کر دوں۔'' وہ اپنا فون روشن کرنے لگا تو داتن نے اچنبھے سے ابرو اچکائے۔''کس بارے میں؟''

''اوہو۔اس آدمی کا فون چوری کر کے جو ڈیٹا ملا ہے...اس بارے میں۔''

''اوہ اچھا۔وہ بورنگ کام۔'' لیانہ صابری نے جمائی روکی۔وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ اس کا ساتھ تالیہ کے لئے دے رہی تھی' نہ کہ کسی وکیل کے فون کے راز پانے کے لئے۔مگر چونکہ وہ نوجوان پر جوش سا اس کو بتا رہا تھا' تو وہ سنجیدہ مشکل بنائے سننے لگی۔

''یہ اپنی فرم کا بہت قابل وکیل ہے اور اس کی ای میلز میں مجھے کچھ گروپ ای میلز ملی ہیں جو فرم کے دیگر وکلاء اور اس کے درمیان تھیں۔میں نے تمام ای میلز کو شروع میں ہی ڈاؤن لوڈ کر لیا تھا کیونکہ اب تک وہ اپنا پاسورڈ بدل چکا ہے۔''

''اچھا کتنی ای میلز ہیں وہ؟''

''گزشتہ تین سال کی تقریباً ڈیڑھ لاکھ ورک ای میلز۔ اف ان کی زبان اتنی مشکل ہے کہ سمجھ ہی نہیں آ رہا ان کے ساتھ کیا کروں ۔مگر ایک آئیڈیا ہے ذہن میں۔'' وہ جیسے آئیڈیا بتانے میں متامل تھا۔

''ایک آئیڈیا میرے ذہن میں بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کھانا آ چکا ہے' اس لئے ابھی بس اسے کھاتے ہیں۔'' داتن ویٹرس کو کھانا لاتے دیکھ کے سیدھی ہوگئی۔ بوریت اور نیند دور بھاگنے لگی۔

لڑکی ٹرے لئے ان کے پاس آئی اور باری باری دونوں پلیٹر زان کے سامنے رکھنے لگی۔ ایڈم پھر سے اس کے بازو کو دیکھنے لگا' البتہ ویٹرس نے اس سے نظر نہیں ملائی۔ وہ چلی گئی تو اس نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ چپ بیٹھا رہا۔

''فکر نہ کرو' بل میں دوں گی۔'' داتن نے اس کا پلیٹر اس کے قریب کر کے یاد دلایا۔

''وہ اس کا شوہر ہوگا۔''

''کون؟''

''وہ جس نے اسے مارا ہے' وہ کوئی قریبی شخص ہوگا۔ یقیناً شوہر۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔

لیانہ نے برا منہ بنا کے پہلے اسے دیکھا پھر اشتہا انگیز لذیذ کھانوں کو جو ان کے سامنے چنے تھے۔

''ایڈم' دنیا میں ہر تیسری بیوی اپنے شوہر سے پٹتی ہے۔ ہم ان کا غم کھانے کے بعد بھی منا سکتے ہیں۔''

''داتن کوئی شوہر اپنی بیوی کو کیوں مارتا ہے؟'' وہ سوچ میں گم بولا۔

''مختلف وجوہات ہوتی ہیں۔'' وہ اسٹیک کو چھری کانٹے سے کاٹ رہی تھی۔

''اونہوں۔ ایک ہی وجہ ہوتی ہے۔ ایسے مرد اپنی بیوی کو اپنے ذہن میں بنے کسی خاکے پہ فٹ کرنا چاہتے ہیں اور جب وہ اس خاکے پہ پوری نہیں اترتی تو وہ اس پہ یوں غصہ اتارتے ہیں۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''وہ اسے بدلنا چاہتے ہیں' یہ سمجھے بغیر کہ ہر انسان یونیک ہوتا ہے۔ وہ اپنے پارٹنر کے سانچوں پہ پورا نہیں اتر سکتا۔ یہ عورت اپنی پوری کوشش کر کے وہ بننا چاہ رہی ہوگی جو اس کا شوہر اسے دیکھنا چاہتا ہوگا....لیکن ایک وقت آئے گا جب یہ تھک جائے گی۔ اس بے وقوف بیوی اور اس کے بے وقوف شوہر دونوں کو معلوم نہیں ہے کہ اچھی زندگی گزارنے کے لئے اپنے ساتھی کو بدلنا ضروری نہیں ہوتا۔''

''ایڈم؟'' وہ ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگی۔ جو ایک دم کسی خواب سے جاگا ہوا نظر آتا تھا۔

''نہیں داتن۔ مجھے کسی سیلون' کسی ڈیزائنر کے پاس نہیں جانا۔ مجھے چے تالیہ کے لئے خود کو نہیں بدلنا۔ جس ایڈم نے ان سے محبت کی تھی وہ یہ ایڈم ہے۔'' سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ ''بدلا ہوا ایڈم معلوم نہیں ان سے محبت کرتا ہوگا یا نہیں؟ اونہوں۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''ہر انسان یونیک اور الگ ہوتا ہے۔ خود کو نکھارنا اور گروم کرنا اچھی بات ہے لیکن کسی دوسرے انسان کے لئے؟ ہرگز نہیں۔ مجھے وان فاتح کا lesser version نہیں بننا۔ میں جیسا ہوں ویسا ہی رہوں گا۔ مجھے......'' اپنے سیل فون کی طرف اشارہ کیا۔ ''مجھے ان ای میلز پہ کام کرنا ہے۔ ان کھانا شروع کرتے ہیں۔'' ان سے ساری بات ہی ختم کر دی تھی۔

داتن دکھی دل سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔

☆......☆......☆

سوموار کی صبح وہ آفس میں تھی اور جب سے آئی تھی' اسٹافرز کے ساتھ بیٹھی قطار میں لگے کمپیوٹرز پہ کیمپیئن کے اعداد و شمار کا تجزیہ کر رہی تھی۔ ارد گرد پر جوش اسٹافرز کا جمگٹھا لگا تھا اور بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دیتی تھیں۔ سب نے نیلی ٹی شرٹس پہن رکھی تھیں جن پہ فاتح کا نام درج تھا اور کچھ نے تو سفید اور نیلی پی کیپس بھی اوڑھ رکھی تھیں۔ تالیہ البتہ اپنا سادہ سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھی اور سب میں مختلف نظر آ رہی تھی۔

تبھی اشعر کا پیغام فون پہ جگمگایا۔ ایک ریستوران کا نام اور وہاں پہنچنے کی ہدایت کے ساتھ یہ بھی درج تھا کہ ادھر فاتح اور وہ اس کے منتظر ہیں۔

تالیہ نے سر اٹھا کے گھڑی دیکھی تو لنچ بریک قریب تھی۔ صبح سے ایک ہی جگہ بیٹھے کمر درد کرنے لگ گئی تھی۔ جانے یہ غیر اعلانیہ لنچ اتنا ضروری کیوں ہو گیا تھا کہ الیکشن سے چار دن پہلے وہ لوگ اس میں وقت ضائع کر رہے تھے؟ کوفت سے سوچتی وہ نیچے آئی اور کیب بلا لی۔

''مجھے ہر چیز یاد آ گئی ہے' ذوالکفلی۔ آپ بھی۔'' کیب کی پچھلی نشست پہ بیٹھے اس نے ذوالکفلی کو فون ملا کے کان سے لگایا تو دیکھا' ڈرائیور نے چونک کے بیک ویو مرر میں اس کو دیکھا تھا۔ وہ سنبھلی اور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے قدیم ملے میں کہنے لگی۔

''پچھلے دو دن سے مجھے سب یاد آ گیا ہے۔ میرا بچپن۔ ہم کیسے محل سے نکالے گئے تھے۔ اور پھر مراد راجہ کیسے راتوں کو چھپ کے پمورو کے لوگوں سے ملتا تھا وغیرہ وغیرہ۔'' بے زاری سے کہہ رہی تھی۔

''جانتا ہوں۔ تمہاری بوتل خالی ہو چکی ہے' پتری تالیہ۔'' وہ گہری سانس لے کر افسوس سے بولا۔

''میرے ماضی میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو مجھے حیران کرے۔ تمہارا کردار بھی مجھے الجھا نہیں سکا۔ سب کچھ میں جانتی ہی تھی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''یادیں عجیب چیز ہیں' پتری تالیہ۔ لوگ ان کو یاد کرنے سے نہیں ڈرتے۔ ان کے 'وار' سے خوف کھاتے ہیں۔ ماضی یا یاد آ جانا الگ چیز ہے' مگر کسی خاص موقع پہ اس یاد کا دل پہ حملہ آور ہو جانا بالکل الگ۔''

''واٹ ایور۔'' اس نے سر جھٹک کے فون رکھ دیا۔ کیب منزل تک پہنچ چکی تھی۔

وہ ایک خوبصورت اور پرتعیش ریستوران تھا جس کے بڑے سے ہال کی چھت اور اونچی تھی اور اس سے لٹکتے فانوسوں کے کرسٹلز دوپہر میں بھی چمک رہے تھے۔ دور دور تک پھیلی میزوں پہ امراء اور بااثر کاروباری حضرات لنچ کرتے دکھائی دیتے تھے۔ ایک میز پہ فاتح اور اشعر کے ساتھ عصرہ محمود بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔

تالیہ نے گہری سانس لی۔ (تو وہ ایک فیملی لنچ تھا؟ پھر اسے کیوں بلایا تھا؟ یقیناً یہ بھی مسز عصرہ کا آئیڈیا ہوگا۔)

وہ قریب آئی تو اشعر فوراً اپنی جگہ سے اٹھا ہی' مگر عصرہ نے دیکھا کہ وان فاتح بھی کھڑا ہوا تھا۔ وہ اتنا بے نیاز انسان تھا کہ کم ہی کسی کے لیے اٹھتا تھا۔ تاہم عصرہ مسکراتی رہی۔ تالیہ کے سلام کا جواب بھی اچھے سے دیا۔ میز گول تھی اور چاروں طرف ایک ایک کرسی رکھی تھی۔ عصرہ اور اشعر آمنے سامنے تھے اور تالیہ وان فاتح کی سیدھ میں بیٹھی تھی۔

چوکور مکمل تھا۔

''اس لنچ کی کوئی خاص وجہ ہے' سر؟'' اس نے نیپکین پھیلاتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تم سب لوگ کیمپین میں اتنے مصروف ہو کہ ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھاتے۔'' فاتح سے پہلے عصرہ ہتھیلی پہ تھوڑی جمائے خوشدلی سے گویا ہوئی۔ ''میں نے زبردستی آج ان دونوں کو وقت نکالنے پہ مجبور کیا ہے۔ ان شاء اللہ اگلا ڈنر ہم فاتح کے جیتنے کی خوشی میں ساتھ کریں گے۔''

تالیہ نے اس کے سجے سنورے چہرے کو دیکھا اور مسکرائی۔ ''آپ کی پلاننگ کی داد دینی چاہیے مسز عصرہ۔ آپ تو وہ کر گزرتی ہیں جو ہمارے گمان میں ہی نہیں ہوتا۔''

عصرہ محمود کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ سر پہ اسٹول اوڑھے' میک اپ اور نازک جیولری سے خود کو مزین کیے' وہ تھوڑی کو ہتھیلی کے پیالے پہ ٹکائے تالیہ کو دیکھتی رہی۔ اشعر البتہ کھنکھارا تو تالیہ نے نظریں اس کی طرف موڑیں۔

''الیکشن ابھی ہم نہیں جیتے لیکن سیلیبریٹ کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک چیز ابھی بھی ہے۔'' وہ یوں دوستانہ لہجے میں بولا جیسے دونوں کے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''اچھا۔ وہ کیا؟'' فاتح نے اس سے پوچھا۔ وہ آج گرے سوٹ میں ملبوس تھا، ایک گھنٹے بعد اسے کسی انٹرویو میں جانا تھا۔ البتہ باقی دونوں کی نسبت وہ ہشاش بشاش اور آرام دہ نظر آ رہا تھا۔

''جے تالیہ نے ادیب کا اسکینڈل جس طرح ہینڈل کیا اور ایمان کو جھوٹا ثابت کیا' وہ قابلِ تحسین ہے۔''

''حالانکہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔'' عصرہ کی مسکراتی گہری نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔ ''ہم سب جانتے ہیں کہ ادیب کتنا بڑا pervert اور بدکردار آدمی ہے۔''

"کا کا۔" اشعر نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔" ادیب کو پروٹیکٹ کرنا پارٹی کے لئے ضروری تھا۔"

"یہاں میڈیا کے کیمرے نہیں لگے، ایش۔ ہم ایمانداری سے ایک معاملے کو ڈسکس کر رہے ہیں۔ اور میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ ایمان کو غلط ثابت کر کے ہم نے ادیب جیسے مجرم کا ساتھ دیا ہے۔ ہے نا تالیہ؟"

ویٹر کھانے کی ٹرے لے آئے اور باری باری سرو کرنے لگے۔ ایسے میں تالیہ نے بڑے تحمل سے عصرہ کو دیکھا۔" ادیب بن سوت کو ہم نے پارٹی سے نکال دیا ہے' مسز عصرہ۔"

"مگر عزت کے ساتھ۔ حالانکہ تم سب کو اس کے جرائم کا علم تھا مگر تم سب نے اس کا پردہ رکھا۔" مسکرا کے پلکیں جھپکا کے بولی تو تالیہ نے کچھ سخت کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ..........

"تم جانتی ہو یہ witchhunt کی اصطلاح زبانِ زدِ عام کیسے ہوئی تھی؟" وان فاتح نے بھاپ اڑاتا پلیٹر اپنے سامنے کھسکاتے ہوئے کہا تو عصرہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

"وچ ہنٹ؟"

"ہاں۔ جب انقلابی سوچ رکھنے والے لوگوں کو ناجائز الزام لگا کے ٹارگٹ کیا جا رہا ہو تو کہتے ہیں نا' کہ یہ وچ ہنٹ ہے۔" اس نے نیپکین کھولا' اور اپنے گھٹنوں پہ پھیلایا۔ پھر پلیٹر سے اسٹیک کا ٹکڑا اٹھانے لگا۔

'یہ قدیم امریکہ کے Salem witch hunt کے قصوں سے ماخوذ اصطلاح ہے۔ جانتی ہو Salem میں کیا ہوا تھا؟"

عصرہ کو اس کی مداخلت اچھی نہیں لگی تھی' مگر ضبط سے سننے لگی۔ تالیہ بھی فاتح کو دیکھ رہی تھی اور اشعر.......وہ خاموشی سے باری باری آمنے سامنے بیٹھے باس اور چیف آف اسٹاف کے چہروں کو پڑھ رہا تھا۔

"Salem میں چھوٹی چھوٹی لڑکیوں نے ایک نیا کام شروع کیا تھا۔ وہ کسی مرد کو پھنسا نہ سکتیں تو اس کی طرف اشارہ کر کے کہتیں کہ یہ آدمی witch (جادوگر) ہے۔ جادو کرنا ان دنوں گناہ سمجھا جاتا تھا۔ جب پادریوں نے اس معاملے کو دیکھا تو کہا کہ خدا ان بچیوں کے ذریعے جادوگروں کی نشاندہی کر رہا ہے۔ وہ بچیاں' پادریوں کے ساتھ گھر گھر جاتیں اور جس کی طرف چاہے انگلی اٹھا دیتیں۔ وہ آدمی چیختا چلاتا کہ میں جادو نہیں جانتا مگر ان کا اعتبار نہ کیا جاتا........" وہ عصرہ کی آنکھوں میں دیکھ کے دھیرے دھیرے بتانے لگا۔" ایسے معاملے کو witchhunt کہتے ہیں۔ جب آپ انتقاماً لوگوں پہ ایسا الزام لگاتے جاؤ جو ان کی ساکھ خراب کر دے۔ ہراسمنٹ کے خلاف کھڑے ہونا اچھی بات ہے' لیکن مرد اور عورتیں دونوں جھوٹ بھی بول سکتے ہیں۔ الزام ناجائز بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم اپنی عورتوں اور مردوں کو Salem کی لڑکیوں کی طرح یہ حق نہیں دے سکتے کہ وہ کسی کی طرف بھی انگلی اٹھا کے اسے معتوب کر دیں۔ عزتوں کے مقدمے چوک پہ سرِ بازار نہیں لڑے جاتے۔ اگر وہ لڑکی ہراس ہو رہی تھی تو اسے پہلے میرے پاس آنا چاہیے تھا۔ میڈیا پہ انصاف نہیں ملا کرتا۔ صرف وچ

ہنٹ ہوتا ہے۔“

آخر میں اس کی ٹون قدرے سخت ہو گئی تھی اور عصرہ کی مسکراہٹ بالکل غائب ہو چکی تھی۔ اس نے بس سر جھٹکا' ایک قہر آلود نظر تالیہ پہ ڈالی اور اپنا کھانا پلیٹ میں نکالنے لگی۔ اشعر بھی بغور فاتح کو دیکھ رہا تھا جو تالیہ کا دفاع کر کے اب کھانے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

ماحول میں ایک دم تناؤ آ گیا تھا۔ چاروں خاموش تھے۔

دفعتاً تالیہ کھنکھاری۔

”سر میں ابھی کیمپئین کے اعداد و شمار کا جائزہ لے کر آ رہی ہوں۔“

”اچھا۔ اور؟“ فاتح نے کانٹے سے مچھلی کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔

”حاکمی صاحب ہر روز کوئی نہ کوئی اسٹنٹ کر کے ویڈیو پبلک کر دیتے ہیں۔ اور ان کو کافی اٹینشن مل رہی ہے۔ ہم البتہ صرف آپ کی تقریروں اور ووٹرز سے رابطوں میں لگے ہیں۔“

”تو یہی کیا جاتا ہے نا انتخابی مہم میں۔ لوگوں سے ووٹ مانگے جاتے ہیں۔ تقریریں کی جاتی ہیں۔“

عصرہ تیز آواز کے ساتھ چھری کانٹے سے اسٹیک کاٹ رہی تھی۔ ماتھے پہ بل تھے اور چہرہ جھکا تھا۔ اشعر دونوں کو باری باری دیکھتا خاموشی سے کھا رہا تھا۔

”مگر سر...... ہمیں کچھ اور بھی کرنا چاہیے۔ کچھ بڑا۔ کچھ حیران کن جو اکثریت کا فیصلہ ہمارے حق میں بدل دے۔ میں شام تک کچھ آئیڈیاز آپ کو دکھاؤں گی جو......“

عصرہ نے زور سے کانٹا پلیٹ میں گرایا۔ سب اسے دیکھنے لگے۔

وہ مسکرائی اور معذرت خواہانہ انداز میں کندھے اچکائے۔

”سوری...... مجھے سیاست بور کرنے لگتی ہے۔ ہم کوئی اور بات بھی تو کر سکتے ہیں۔ جیسے ......“ انگلی سے گال پہ آئی لٹ کو معصومیت سے پیچھے کیا۔ ”جیسے میرے بچے...... جولیانہ بالخصوص جو تالیہ کو بہت پسند کرتی ہے۔ اس نے ایک دفعہ (فاتح کو دیکھ کے بتانے لگی) کوئی میجک ٹرک دکھائی تھی جولیانہ کو۔ وہ تب سے اس کی فین ہے۔ اس دن بولی کہ.........“ وہ بڑی اپنائیت سے بیویوں والے انداز میں شوہر کو بتا رہی تھی۔ وہ مسکرا کے سننے لگا۔

تالیہ کی نظریں اس کی کلائی پہ جھکیں۔ وہاں سنہری بریسلیٹ ابھی بھی موجود تھا۔ یہ اس اصلی بریسلیٹ کی نقل تھی۔ تالیہ کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھر کے معدوم ہوئی۔

”آریانہ بھی مجھے بہت پسند کرتی تھی۔“ وہ مزے سے بولی تو عصرہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''سر نے مجھے بتایا تھا کہ وہ میرا ایک ڈرامہ دیکھنے آئی تھی۔ اس میں' میں نے تاشہ نامی ایک پری کا کردار کیا تھا اور آریانہ کو وہ بہت پسند آیا تھا۔'' عصرہ کی آنکھوں میں دیکھ کے بتایا۔''اسی لیئے سر مجھے تاشہ کہتے ہیں کیونکہ آریانہ کو میرا یہی نام معلوم تھا۔''

''ہاں۔ اسے بہت پسند تھا وہ ڈرامہ... تاشہ آ گا پووا۔'' فاتح بھی مسکرا کے یاد کرنے لگا۔

''مگر تم دوبارہ اس شو میں نہیں گئیں۔ کیا اداکاری چھوڑ دی؟'' وہ عام سے انداز میں پوچھنے لگا تو عصرہ سراہنے والے انداز میں بولی۔

''اداکاری اتنی آسانی سے تھوڑی چھوٹتی ہے؟''

''درست کہہ رہی ہیں مسز عصرہ۔ ایک رول اس کے بعد بھی کیا تھا میں نے جو یادگار تھا۔'' وہ مسکرا کے بتانے لگی۔

''اچھا۔ کون سا رول؟''

تالیہ نے کانٹے سے مچھلی کا ٹکڑا منہ میں رکھا اور اسے چبانے کے بعد مزے سے بولی۔

''ایک شہزادی کا کردار جو ملاکہ سلطنت کے ایک بنداہارا کی بیٹی تھی۔ بنداہارا اس کی شادی زبردستی ایک بگڑے امیر زادے سے کروانا چاہتا تھا مگر چونکہ شہزادی کو اپنے باپ سے نفرت تھی تو وہ ایک غلام سے.........''

اور وقت پل بھر کو ٹھہر گیا۔

سارے حساب کتاب الٹے ہو گئے۔

سارے لمحے گھڑی کی سوئیاں تھام کے رک گئے۔

تالیہ مراد کے دل میں درد کی لہر اٹھی۔ اس کا سانس رکا۔

مچھلی کا ٹکڑا حلق میں پھنسا۔

وہ ہلکا سا کھانسی۔ پھر بند مٹھی دل پہ رکھی۔

''کیا ہوا؟''

''تم ٹھیک ہو' تاشہ؟''

آوازیں.... فکرمند چہرے.... اسے وہ سب دھندلے سے نظر آئے۔ اور پھر اپنی آواز کسی کنویں سے آتی سنائی دی۔

''جی.... میں... ایک منٹ.... ایکسکیوز می....'' اس نے خود کو کرسی سے اٹھتے دیکھا۔

''ریسٹ روم کہاں ہے؟'' وہ سینے پہ ہاتھ رکھے ویٹر سے پوچھ رہی تھی۔

اشعر بھی کھڑا ہو گیا تھا اور وہ لوگ اسے فکرمندی سے دیکھ رہے تھے۔ کسی نے اسے پکارا مگر وہ سنے بغیر تیز تیز ریسٹ روم کی طرف قدم اٹھانے لگی.... بند مٹھی سینے پہ جمی تھی.... درد اتنا شدید تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔

ریسٹ روم میں آتے ہی وہ دیوار گیر آئینے کے سامنے سنک پہ جھکی اور قے کرنی چاہی مگر حلق میں کچھ اٹکا ہی نہیں تھا جو باہر نکلتا۔ مسئلہ تو دل میں تھا۔

اس نے نڈھال سا چہرہ اٹھا کے آئینے کو دیکھا۔ ذوالکفلی نے درست کہا تھا۔ یادوں کا حملہ اور ان کا گھاؤ سہنا آسان نہیں تھا۔

(یاداشتیں عجیب چیز ہیں۔)

(لوگ ان کے وار سے گھائل ہونے سے ڈرتے ہیں۔)

وہ یادیں جو ذہن میں دو دن پہلے لوٹ آئی تھیں' انہوں نے ایک دم سے وار کیا تھا......

مراد سخت بچھونے پہ چت لیٹا تھا۔ نیم اندھیر کمرے میں فقط ایک مشعل جلی تھی اور وہ کپڑے سے اس کے کندھے سے بہتا خون صاف کر رہی تھی۔ مراد آنکھیں موندے درد سے کراہ رہا تھا اور تالیہ کی پلکوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ گر رہے تھے۔

''بابا.....آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔''

مراد نے نقاہت سے آنکھیں کھولیں۔ ''تم یہاں کیوں ہو ابھی تک' تالیہ؟ جاؤ بچے...اپنے خالو وغیرہ کے ہمراہ۔ ان کا قافلہ روانہ ہونے والا ہوگا۔'' وہ درد سے ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔

''میں آپ کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گی' بابا۔''

''میں زخمی ہوں۔ سلطان کے سپاہی پہنچنے والے ہوں گے۔ تم میری بات مانو اور اپنے خالو کے ہمراہ الور سونگائی کوچ کر جاؤ۔ اس گاؤں کے لوگ اچھے ہیں۔ وہ تمہیں پناہ دے دیں گے۔''

''نہیں بابا۔'' اس نے ننھے ننھے ہاتھوں سے گال رگڑے۔ ''تالیہ اپنے بابا کے بغیر نہیں جائے گی۔ قاسم آبنگ کے پاس گھوڑا ہے۔ ہم آپ کو اس پہ ڈال کے لے جائیں گے۔'' وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اس کا بہتا خون صاف کر رہی تھی.....وہ زخمی چہرے اور گیلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا......

منظر تبدیل ہوتا ہے....ایک دوسری یاد حملہ کرتی ہے....

وہ ننھے میلے ہاتھوں سے ایک لکڑی کی جھونپڑی کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔ دفعتاً پٹ کھلا اور ایک لمبے بالوں والے آدمی نے باہر جھانکا۔ اس کی داڑھی کی چونچ تکون صورت سینے تک آتی تھی۔

''کون ہو تم؟ کیا چاہیے؟'' حیرت سے اسے دیکھ کے پوچھا۔

''الور سونگائی میں سب کہتے ہیں کہ تمہارے پاس ہر مرض کا علاج ہوتا ہے۔ ہم میرے بابا کو زخمی حالت میں یہاں لائے ہیں۔ ان کا زخم ٹھیک کر دو۔'' اس نے ننھے ہاتھ اس کے سامنے جوڑے۔ آدمی باہر نکل کے اس کے سامنے آکھڑا ہوا اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''میں اس کا علاج کر دوں گا اور وہ تندرست بھی ہو جائے گا لیکن پھر اس کو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔''

''میں وعدہ کرتی ہوں۔ تمہیں کیا چاہیے؟ ابھی ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں مگر ہم سلطان کے خاندان سے ہیں اور.....''

''مجھے پیسے نہیں چاہیے ہیں' لڑکی۔'' وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرایا۔ ''مجھے صرف اپنے گروہ ''پمبورو'' میں ایک اور مزید اضافہ چاہیے۔''

''بابا بہت بہادر اور جری ہے۔ وہ ہر کام کر سکتا ہے۔ تم بس اس کو تندرست کر دو' اے طبیب۔''

جادوگر نے مسکرا کے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''میرا نام طبیب نہیں ہے۔ میرا نام ذوالکفلی ہے۔''

پھر وہ سیدھا ہوا اور گہری سانس لی۔ ''مجھے اپنے گھر لے چلو۔''

یادیں غائب ہونے لگیں۔ ست رنگے بلبلے پھٹنے لگے۔

سنک کے آئینے میں خود کو دیکھتی تالیہ کا چہرہ پیلا پڑ رہا تھا۔

وہ پہلے ہی جان گئی تھی کہ ذوالکفلی خود بھی وقت کا ایک مسافر تھا اور اس نے تالیہ مراد کے باپ کو شکار بازوں میں شامل کیا تھا۔ یہ ساری یادیں اس کو دو روز پہلے یاد آ گئی تھیں اور اسے ذوالکفلی کے حسب نسب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مگر وہ درست کہتا تھا۔ یادوں کا حملہ غیر متوقع اور اچانک ہوتا ہے۔

اور اس پہلے حملے نے اسے فق کر دیا تھا۔ وہ ایک دم نڈھال سی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے دل کو برسوں بعد یاد آیا تھا کہ تالیہ بنت مراد اپنے باپ سے بے حد پیار کرتی تھی۔

سارے مناظر فلم کی طرح نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے۔

وہ اس کا مضبوط ہاتھ تھامے محل سے دور بھاگ رہی تھی.....سپاہی ان کے پیچھے تھے.........اسے بچاتے ہوئے مراد کو تیر لگا تھا۔ انہوں نے کسی کے گھر پناہ لی تھی.....مراد چاہتا تھا وہ اسے مرنے دے مگر وہ اپنے باپ کو چھوڑ کے نہیں جا سکتی تھی......وہ اپنے ننھیال والوں کے ہمراہ اس کے خون میں لت پت وجود کو لئے الورسونگائی آئی تھی.........وہاں ذوالکفلی نامی طبیب نے مراد کا علاج کیا تھا اور بعد میں علاج کی بھاری قیمت وصول کی تھی۔

وہ راتوں کو چھپ چھپ کے ذوالکفلی اور اس کے ساتھیوں سے ملتا تھا۔ وہ جادو سیکھنے لگا تھا اور کسی خزانے کی چابی بنا رہا تھا۔ وہ موجودہ سلطان سے تنگ تھا۔ پھر اس نے مرسل شاہ کی مدد کی۔ وہ اسے خطوط لکھتا تھا۔ اس کے سپاہیوں سے بھی ملتا تھا۔ اس نے مرسل شاہ کو بغاوت پہ مجبور کیا اور جب مرسل اپنے جرنیلوں کی مدد سے تخت پہ قابض ہو گیا تو مراد کو واپسی کا اذن مل گیا۔ لیکن شاہِ چین کی حال ہی میں آئی دختر نے پورے الورسونگائی کو جادوگروں کا گاؤں مشہور کروا دیا۔ چینی شہزادی نے اپنے سپاہی بھیج کے شکار بازوں کا قتلِ عام اور گرفتاری

شروع کردی۔ ایسے میں مراد نے اپنے ساتھیوں کا ساتھ دینے کی بجائے ہونے والی ملکہ اور سلطان کا ساتھ دیا۔

وہ اسی بات پہ اس سے ناراض ہوئی تھی کہ وہ اپنے گاؤں والوں کو بھلا کے' اپنے ساتھیوں کو بھلا کے' خزانے کو بھلا کے' جو اس نے لوگوں کی فلاح کے لئے حاصل کرنا تھا' محل میں عیش کرنے جا رہا ہے۔

مگر مراد راجہ جادوگری کی اس دنیا سے دور 'طاقت' کی دنیا میں جانا چاہتا تھا۔ اپنی دنیا میں واپس۔ اور طاقت کی دنیا میں لوگ دھیرے دھیرے سنگدل اور سفاک ہوتے جاتے ہیں۔

مراد بھی ہو گیا تھا۔

لیکن چاہے وہ زخمی بے بس مراد ہو.....' یا طاقتور اور سفاک بنداہارا مراد راجہ ہو......اس کا چہرہ تالیہ کے سامنے تھا اور اس کا چہرہ تالیہ کے دل میں تھا۔

وہ باہر نکلی تو ہال کی مختلف میزوں پہ لوگ ہنوز بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ زرد چہرے کے ساتھ آگے چلتی گئی۔ ایک میز پہ ایک چھوٹی بچی بیٹھی تھی جس کا باپ اس کی طرف جھک کے اسے کچھ کھلا رہا تھا۔ وہ گم صم سی اسے دیکھے گئی۔ قدم کس طرف اٹھ رہے تھے' اور نگاہیں کس طرف تھیں.....

وہ واپس ان کے سامنے آئی تو سب نے دیکھا' تالیہ کا چہرہ دھلا دھلایا تھا اور رنگت زرد تھی۔

''یا وا کے؟'' فاتح نے چھری کانٹے چلاتے ہاتھ روک کے پوچھا۔ وہ تینوں اپنا کھانا ختم کرنے کے قریب تھے۔ تالیہ کا پلیٹر اَن چھوا رکھا تھا۔

''جی۔ میں آپ کا باہر انتظار کر رہی ہوں۔ ہمیں انٹرویو کے لئے جانا تھا۔'' اپنا بیگ اٹھا کے کھڑی ہوئی تو اشعر نے اس کے کھانے کو دیکھا۔

''کھانا تو کھا لیں۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں باہر ہوں' سر۔'' دونوں کو بیک وقت مخاطب کر کے وہ بولی اور نگاہیں ملائے بغیر آگے بڑھ گئی۔ عصرہ نے ہونہہ میں سر جھٹکا۔

''اسے کیا ہوا؟'' اشعر نے بے چینی سے ان دونوں کو دیکھا۔ فاتح نے کندھے اچکا دیے اور دوبارہ سے کھانے لگا۔ البتہ عصرہ نے ٹشو سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''کچھ لڑکیوں کو توجہ لینے کے لئے Damsel in distress بننے کی عادت ہوتی ہیں۔ وہ خود کو بیمار اور اپ سیٹ ظاہر کر کے دوسروں کو پریشان کرتی ہیں۔ یہ خود ترسی کی ایک اعلیٰ قسم ہے اور......''

وہ کہہ رہی تھی جب فاتح نیپکین سے ہاتھ پونچھتے اٹھا اور کرسی دھکیلتا آگے بڑھ گیا۔

عصرہ کے اندر ابال سا اٹھا۔ دانت پیس کے اشعر سے بولی۔ ''اٹھو۔ ان کے پیچھے جاؤ۔''

''میں نے تو انٹرویو پہ نہیں جانا۔ آپ کو اپنے شوہر کی اتنی فکر ہے تو ان کی رکھوالی کے لئے خود چلی جائیں۔'' وہ اکتاہٹ سے کہہ کے واپس کھانے لگا۔

''کیا تمہیں وہ سب نظر نہیں آ رہا جو مجھے دکھائی دے رہا ہے؟''

''پتہ نہیں۔'' وہ بےزار لگ رہا تھا۔ عصرہ کی باتوں نے اسے شدید بددل کر دیا تھا۔

وہ کار کے ساتھ گم صم سی کھڑی تھی۔ وہ کپل اور ان کی بچی باہر آتی دکھائی دے رہی تھی اور تالیہ بس ان کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ بڑے مضبوط ہاتھ میں ننھا سا ہاتھ۔

وہ اس وقت کہاں تھی' کیوں تھی' اسے بار بار وہ سب بھولنے لگا تھا۔

ان کی آخری ملاقات کیسی عجیب سی تھی! وہ فاتح کے ساتھ سن باؤ کے گھر تک آیا تھا۔ وہ اس کو خدا حافظ کہنا چاہتا تھا۔ اور تب بھی وہ پرامید تھا کہ وہ رک جائے گی یا واپس آ جائے گی مگر وہ اس سے رکھائی سے ملی تھی کیونکہ وہ اس کو ناپسند کرتی تھی۔ لوگوں کے لئے' عوام کے لئے' قانون کی سربلندی کے لئے' اس کے جرائم کے لئے.... ان ساری وجوہات کی بنا پہ راجہ مراد ایک برا آدمی تھا۔

مگر وہ اس کا باپ تھا۔ یہ رشتہ سارے گناہ دھو ڈالنے کے لئے کافی تھا۔ وقت نے تالیہ کو اس کی پہلی محبت بھلوا دی تھی۔ آج وہ یاد آ گئی تھی۔ مراد ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا۔ وہ تو ایک خیال رکھنے والا باپ تھا۔ انہوں نے ایک طویل مسافت ایک ساتھ کاٹی تھی۔ وہ سب اسے کیسے بھول گیا تھا؟

''اندر بیٹھو۔'' فاتح نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تو وہ چونکی۔ وہ جانے کب باہر آیا تھا اور اب اس کو پچھلی سیٹ پہ بیٹھنے کا کہہ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ آگے بیٹھنے کی عادی تھی لیکن آج احتجاج نہیں کیا۔

''تمہیں کیا ہوا تھا؟'' وہ دوسری طرف سے آ کے بیٹھا اور اس کی طرف رخ پھیرے سنجیدگی سے بولا۔

''کچھ نہیں۔'' اور گردن شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ ''مجھے آریانہ کے ذکر پہ اپنے بابا یاد آئے۔''

''اوہ۔'' اس نے گہری سانس خارج کی۔ ڈرائیور باہر تھا اور وہ دونوں کار میں تنہا تھے۔

''I did love my father.'' وہ جیسے خود کو بتا رہی تھی۔

''ظاہر ہے۔ وہ تمہارے بابا تھے۔''

''میں سمجھتی تھی محبت ختم ہو جاتی ہے یا نفرت میں بدل جاتی ہے۔ مگر میں غلط تھی۔ ہم محبت کو بھلا تو سکتے ہیں لیکن کسی کو

unlove نہیں کر سکتے۔"

"تمہارے والد کی ڈیتھ ہو چکی ہے کیا؟ تم نے مجھے کلیئر نہیں بتایا تھا۔" فاتح ابرو اچکا کے یاد کرنا چاہ رہا تھا۔

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

"ہوں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ...."

مگر پھر.....وہ لمحے بھر کو گم صم ہوئی۔

"نہیں۔ وہ ابھی بھی زندہ ہیں۔ کہیں کسی دور دنیا میں....وہ موجود ہیں۔ میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

"تو تم ان کے پاس چلی جاؤ۔ سمپل۔"

کتنا آسان حل بتایا تھا اس نے۔ وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔ پھر سادگی سے مسکرا دی۔

"مجھے ان کے پاس نہیں جانا۔ مجھے بس....ان کا خیال آ رہا تھا۔"

"تو ان سے بات کر لو۔"

اس نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا۔ "کر لوں گی۔ اب ہمیں انٹرویو کے لئے نکلنا چاہیے۔"

"شیور۔ مگر اب تمہیں حاضر دماغ رہنا ہے۔" تنبیہہ کر کے اس نے شیشہ بجایا تو دور کھڑا ڈرائیور فوراً کار کی طرف لپکا۔

"ایم فائن سر۔" اس نے سر جھٹکا مگر دل کی تکلیف یوں کم نہیں ہوتی تھی۔

دور اندر کوئی ایک حصہ تھا جو ایک دم اس آدمی کی یاد میں کرلانے' تڑپنے لگا تھا جس کا مضبوط ہاتھ پکڑ کے وہ جنگلوں اور دریاؤں کو پار کرتی آئی تھی۔

یادِ ماضی عذاب تھی۔

☆......☆......☆

وہ ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کا میٹنگ روم تھا۔ وسط میں گول میز رکھی تھی اور اس کے گرد چار کرسیوں کا پھول بنا تھا۔ ایک مدھم بتی جلی تھی اور کھڑکیوں کے بلائنڈز مکمل بند تھے۔ تین کرسیوں پہ تین نوجوان براجمان تھے اور ان کے سامنے چوتھی کرسی پہ ایڈم بن محمد بیٹھا تھا۔ اس نے ٹی شرٹ پہ چیک والی شرٹ پہن کے سامنے کے بٹن بند کر رکھے تھے اور سیدھ میں بیٹھے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔

"جس "دوست" نے ہماری ملاقات ارینج کروائی ہے' اس نے مجھے بتایا تھا کہ تم کچھ معلومات شیئر کرنا چاہتے ہو۔" مرکزی کرسی پہ بیٹھا آدمی ایڈم کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا۔ اس نے تنگ سا نیلا کوٹ پہن رکھا تھا جس کے آستین کہنیوں تک موڑ کے سی دیے گئے تھے۔ ٹی شرٹ کے گریبان پہ ڈیزائنر گلاسز اٹکی تھیں۔ باقی دونوں کے لباس اور قیمتی گھڑیاں ان کی مالی حیثیت کا پتہ دیتی تھیں۔

''جی۔'' ایڈم نے تھوک نگلتے ہوئے سر ہلایا۔ ان تینوں کی شخصیات کا رعب تھا یا اس پرتعیش ہوٹل کا پرفسوں' خوابناک سا ماحول... وہ بار بار اعتماد کھو رہا تھا۔ اوپر سے روشنی اتنی مدھم تھی کہ ماحول کی پراسراریت بڑھتی جا رہی تھی۔

''میں سائمن فوسٹر ہوں۔ ملائیشیاء میں ایک بین الاقوامی جریدے کی طرف سے بھیجا گیا ایک جرنلسٹ اور کوارڈینیٹر۔'' نیلے کوٹ والے نے نرمی اور شائستگی سے اپنا تعارف کروایا۔

''میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ کی نیوز رپورٹس اور آرٹیکلز پڑھے ہیں میں نے۔'' ایڈم کو اس کی نرمی نے حوصلہ دیا۔

''گڈ۔ اور یہ دونوں ملے جرنلسٹ ہیں۔ ہم تینوں صحافیوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم کا حصہ ہیں جو عالمی سطح پہ کام کرتی ہے۔''

''جی۔ آپ...'' اس نے قدرے اعتماد سے کہنا چاہا۔ ''آپ او آئی جے کا حصہ ہیں۔ آرڈر آف انٹرنیشنل جرنلسٹس۔''

''گڈ۔ اب تم بتاؤ تمہارے پاس ہمارے ''آرڈر'' (تنظیم) لئے کیا ہے۔'' سائمن مسکرا کے ہاتھ باہم پھنسائے ہوئے آگے کو ہوا۔ باقی دونوں بھی اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کو ملوانے والی داتن تھی۔ ایڈم کسی بہت بااثر صحافی سے ملنا چاہتا تھا اور داتن نے اس کی خواہش پوری کی تھی۔

''یہ دیکھیے۔'' ایڈم نے جلدی سے سامنے رکھی فائل کھولی اور چند کاغذات نکالے۔ ''میری دوست نے شاید بتایا ہو کہ مجھے کلائیڈ اینڈ لی کی.....''

''ہم تم سے سننا چاہتے ہیں ایڈم۔ شروع سے بتاؤ۔''

ایڈم جھینپ گیا مگر پھر کاغذات دکھاتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں ایک چھوٹے اخبار میں کام کرنے والا صحافی ہوں۔ بلکہ ایک tabloid میں۔'' (شرمندگی سے بولا۔) ''میرے ہاتھ کلائیڈ اینڈ لی کی کچھ ای میلز لگی ہیں اور...''

''کیسے لگی ہیں؟''

ایڈم چپ ہو گیا۔ ''ویل... میں نے غیر قانونی طریقے سے.....''

''جرنلزم کا پہلا اصول یہ ہے ایڈم' کہ جب تم سے کوئی چوری کی ای میلز کا سورس پوچھے تو تم کہو گے کہ اس ادارے میں کسی وسل بلور (مخبر) نے اپنا نام صیغہ راز میں رکھنے کی شرط پہ معلومات لیک کی ہیں۔ بس!''

سائمن سمجھاتے ہوئے بولا تو ایڈم نے سر ہلایا۔

''جی۔ جی۔ رائٹ۔'' پھر کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔

''ای میلز بہت ساری ہیں۔ میں نے ابھی تک بہت کم ای میلز پہ کام کیا ہے۔ ان ای میلز میں کلائیڈ اینڈ لی کے بہت سے کلائنٹس

کے نام ہیں۔''

''ان ناموں کا ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' دوسرے صحافی نے کندھے اچکاتے ہوئے مداخلت کی۔ سائمن کی نسبت وہ دونوں تنقیدی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''ان گروپ ای میلز میں سینکڑوں نام ہیں' سر۔ بین الاقوامی لیڈرز' سیاستدانوں' عرب شہزادوں اور کاروباری افراد کے۔ میں ابھی تک صرف تیس نام کریک کرسکا ہوں۔ ان میں سے دس نام اور ان سے متعلقہ ای میلز ان کاغذات میں ہیں۔''

سائمن اب باری باری ان کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ ہر صفحہ پڑھنے کے بعد وہ دوسرے صحافی کی طرف بڑھا دیتا۔

''یہ بہت زبردست کام ہے' ایڈم۔'' آخری صفحہ پڑھتے ہوئے وہ ستائش سے بولا تو ایڈم کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس کا کھویا اعتماد واپس آنے لگا۔

''مگر سائمن' یہ مشہور لوگوں کی آف شور کمپنیز ہیں اور ہانگ کانگ میں یہ ایک قانونی چیز ہے۔ اگر ہم دنیا کو ان کے نام بتا بھی دیتے ہیں تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہم نے ہانگ کانگ کا کوئی قانون نہیں توڑا۔''

''سوری سر' لیکن آپ ان ناموں کو پڑھ رہے ہیں کیا؟'' ایڈم نے سنجیدگی سے بات کاٹی۔ ''دس میں سے پانچ لوگ اپنے اپنے ملکوں کے سربراہ ہیں۔ چار عرب شہزادے ہیں اور دسواں نام ہماری وزیر اعظم صوفیہ رحمٰن کا ہے۔ بات یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ خود کیا کہیں گے۔ بات یہ ہے کہ ان کے عوام کیا کہیں گے۔''

''ایڈم درست کہہ رہا ہے۔'' سائمن نے کاغذات فائل میں رکھتے ہوئے گہری سانس لی۔

''ان میں سے اکثر سیاستدان ہیں اور الیکشن لڑنے سے پہلے ہر سیاستدان کو اپنے عوام کو یہ بتانا ہوتا ہے کہ اس کے پاس کتنی دولت ہے تاکہ پانچ سال بعد عوام خود دیکھ لیں کہ اس حکمران کی دولت میں مشکوک اضافہ ہوتا تو نہیں نظر آرہا؟ صوفیہ رحمٰن نے اپنی اس آف شور کمپنی کو کبھی ظاہر نہیں کیا۔ اس آف شور کمپنی کے تحت وہ یورپ میں تین ہوٹلز کی مالکن ہے۔ نہ وہ اس جائیداد کا ٹیکس دیتی ہے نہ اس نے یہ اپنے اثاثہ جات میں ظاہر کی ہے۔ ٹیکس نہ دینا اور اثاثوں کا ظاہر نہ کرنا بہت بڑے جرائم ہیں۔''

''مگر ہوسکتا ہے ان لوگوں نے جائز آمدنی سے یہ جائیداد بنائی ہو اور صوفیہ رحمٰن کے علاوہ تمام سربراہان کی جائیداد تو ان کی بیوی یا بچوں کے نام ہے۔'' دوسرے صحافی کو اعتراض تھا۔ ایڈم تیزی سے بولا۔

''میں نے ان سب کو ریسرچ کیا ہے۔ ان کے بیوی بچوں کا تو کوئی دوسرا سورس آف انکم ہے ہی نہیں۔ اور اگر یہ جائیداد بالفرض جائز طریقے سے ہی بنائی گئی ہے تو صحافی کا کام سوال کرنا ہے۔ حکمران کا کام جواب دینا ہے۔ کیا یہ حکمران اپنی ان جائیدادوں کو جھٹلا سکتے ہیں؟ کیا یہ جائز ذریعہ آمدن دکھا سکتے ہیں؟''

''بالکل۔اور اگر ہم دنیا کو یہ نام بتا دیں تو ان ممالک کے عوام اپنے سربراہان سے سوال پوچھیں گے۔ یہ ایک انٹرنیشنل اسکینڈل ہوگا۔مگر....'' سائمن نے فائل بند کرتے ہوئے سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھا۔اس کے اعصاب اس ''مگر'' پہ تن گئے۔

''مگر؟'' پریشانی سے پوچھا۔

''مگر مجھے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ یہ ای میلز واقعی اصلی ہیں اور جو تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے؟''

''آپ کو یہ نہیں معلوم ہوگا۔آپ کو معلوم ہو بھی نہیں سکتا۔آپ کو صرف مجھ پہ اعتبار کرنا ہوگا۔آپ ان چند ای میلز کو پڑھ لیں' ان کے ہیڈرز پرکھ لیں اور انہیں مذکورہ سیاستدانوں کے سامنے رکھ دیں۔اگر وہ کلائیڈ اینڈ لی میں اپنی کمپنیز ہونے سے انکار کرتے ہیں تو جو چور کی سزا' وہ میری سزا۔''

''خیر اگر یہ ای میلز اصلی ہیں تو کوئی صدر یا وزیرِ اعظم ان کا انکار نہیں کرے گا۔'' سائمن کے انداز پہ دوسرے صحافی نے ابرو اچکائے۔

''اور وہ کیوں؟''

''کیونکہ یہ جمہوری ممالک کے سربراہان ہیں۔ان کو معلوم ہے کہ اگر ان سے پارلیمان میں یہ سوال ہوا اور انہوں نے جھوٹ بولا تو وہ پکڑا جائے گا۔جھوٹ ہمیشہ پکڑا جاتا ہے۔اور پارلیمنٹ کے فلور پہ جھوٹ بولنا بہت بڑا جرم ہے۔اس لئے' ایڈم' میں پہلے ان کاغذات کی تصدیق کروالوں پھر ہم ان کو لیک کرنے کی حکمتِ عملی بنائیں گے۔''

سائمن کھڑا ہوا تو باقی سب بھی کھڑے ہوگئے۔پھر اس نے خوشدلی سے ایڈم کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''تم نے بہت اچھا کام کیا ہے اور ہم ضرور ان لوگوں کو ان کے عوام کے سامنے ایکسپوز کریں گے۔''

''تھینک یو' سائمن۔'' اس نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔''لیکن آپ ان کی تصدیق کیسے کریں گے؟'' سائمن سادگی سے مسکرایا۔

''میرے اپنے بہت سورسز ہیں۔'' اس نے ایک آنکھ دبائی۔

ایڈم کو باقی دونوں خشک مزاج صحافیوں کی نسبت وہ گوارا صحافی بہت اچھا لگا تھا۔پھر ایڈم اپنا فون اٹھا کے جانے لگا تو سائمن نے پکارا۔

''اگر ہم ان کو لیک کریں تو ان ڈاکومنٹس کا کیا نام رکھنا چاہیے؟ یو نو' ہر leaks کا کوئی نہ کوئی نام ہوتا ہے۔''

ایڈم بن محمد جاتے جاتے پلٹا اور مسکرا کے سائمن کو دیکھا۔

"The Hong Kong Papers"

سائمن نے بھی مسکرا کے سر ہلا دیا۔

ایڈم کا چہرہ وہاں سے نکلتے وقت جوش وجذبے سے تمتما رہا تھا۔اسے اب جلد از جلد باقی نام ان ای میلز سے نکالنے تھے۔

☆......☆......☆

دوپہر میں بارش شروع ہوئی تو چند منٹ میں سارا کے ایل پانی میں نہا گیا۔ موسم شدید حبس کے بعد خوشگوار ہو گیا تھا۔ تنکو کامل کے ڈرائینگ روم کی کھڑکیوں کی شیشے ابھی تک گیلے تھے اور ان سے نکھرا نکھرا سا لان دکھائی دے رہا تھا۔

اندر تنکو کامل اپنی بیگم شیلا کامل کے ساتھ بڑے صوفے پہ بیٹھے تھے۔ دونوں پرسکون اور سنجیدہ نظر آرہے تھے۔ میز پہ چائے کی اشیاء رکھی تھیں جن کو سامنے براجمان پراسیکیوٹر احمد نظام نے چھوا تک نہیں تھا۔ وہ رسمی باتوں کے بعد فوراً ہی مدعے پہ آ گئے تھے۔

''تنکو کامل صاحب' میں یہاں چند سوالات کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔''

انہوں نے کوٹ کی جیب سے ایک فولڈر نکال کے میز پہ رکھا۔ تنکو کامل نے دیکھا' کھچڑی بالوں والے ادھیڑ عمر پراسیکیوٹر کی گہری آنکھیں لمحے بھر کے لئے بھی ان کے چہرے سے جدا نہیں ہو رہی تھیں۔ وہ ان کو یوں نگاہوں کے حصار میں لئے ہوئے تھے جیسے فولڈر دیکھتے ہی تنکو کامل کے پہلے تاثرات سے سچ اور جھوٹ کا پتہ چلا لیں گے۔

کامل صاحب نے جھک کے فولڈر اٹھایا اور سیدھے ہوتے ہوئے اسے کھولا۔ شیلا نے بھی ان کے کندھے کے قریب ہو کے جھانکا۔ اندر سنہرے بالوں والی لڑکی کی چند تصاویر لگی تھیں۔

''کیا آپ اس لڑکی کو جانتے ہیں؟ کہیں دیکھا ہے؟ کبھی ملاقات ہوئی ہے؟''

''ملاقات؟'' کامل صاحب نے فولڈر بے توجہی سے بند کیا اور میز پہ ڈالا۔

''یہ تو ہماری ملازمہ تھی۔ ایک سوپ پارلر میں سوپ بناتی تھی اور وہیں سے ہم نے اس کو ہائر کیا تھا۔''

احمد نظام کے کندھے ڈھلکے۔ انہوں نے تھکان بھری سانس خارج کی۔ یہ سب تو بہت آسان تھا۔ کوئی بھی تالیہ کو پہچاننے سے انکار نہیں کر رہا تھا۔

''اور اس کا نام کیا تھا؟''

''تالیہ مراد۔'' شیلا بھی اسی سادگی سے بولیں۔ ''کیوں؟ کچھ ہوا ہے کیا؟''

''نہیں۔ بس روٹین کی کارروائی تھی۔'' پھر چند مزید سوالات پوچھ کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فولڈر اٹھا لیا۔ اب مزید کسی شک کی گنجائش نہ تھی۔

باہر انویسٹی گیٹر کار کے ساتھ کھڑا بار بار کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ احمد نظام کو آتے دیکھ کے سیدھا ہوا۔

''کیا کہا انہوں نے؟'' بے چینی سے پوچھا۔

''فوراً مان گئے کہ وہ ان کی نوکرانی تھی۔'' وہ جوش سے بتانے لگے۔ انویسٹی گیٹر پہلے حیران ہوا پھر اس کے چہرے پہ خوشی کی رمق دوڑی۔

''گڈ۔یعنی تالیہ مراد بھیس بدل بدل کے مختلف نوکریاں کرتی رہی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟''

''سنو نوجوان!''انہوں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے سنجیدگی سے کہا۔''اب اس لڑکی سے آمنے سامنے ملاقات کا وقت آ گیا ہے۔اس کے بارے میں تمام دستاویزات کو ہم ایک دفعہ پھر پڑھیں گے اور اس کے بعد میں اس سے ملنے جاؤں گا۔''

''بالکل سر۔''وہ مسکرایا اور سر کو خم دیا۔کیس دلچسپ ہوتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

دوپہر کی بارش نے رات تک ٹھنڈ مچائے رکھی پھر حسب معمول حبس بڑھنے لگا۔وہی گرمی' وہی پسینہ...کے ایل میں بارش بار بار ہوتی تھی اور بار بار ماحو ویسا ہی ہو جاتا تھا۔

حالم کے بنگلے کے اوپن کچن میں اس رات خاموشی سے کھانا کھایا جا رہا تھا۔بتیاں بجھا کے داتن نے میز پہ رکھا کینڈل براجلا رکھا تھا اور اب وہ چاول کھاتے ہوئے موم بتیوں کے پھڑپھڑاتے شعلوں کی زرد روشنی میں تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔سنہری بالوں کو ہئیر بینڈ سے پیچھے کیے' وہ ٹراؤزرز پہ نائٹ شرٹ پہنے' سر جھکائے کھانا کھا رہی تھی۔جھکی پلکوں پہ بے نام سی اداسی تھی جو داتن پدوکا کو بے چین کر رہی تھی۔

نیم اندھیر خاموش لاؤنج کم کچن.....اور وسط میں جلتی تین موم بتیوں کے گرد بیٹھے دو خاموش نفوس۔باہر پھیلا حبس اور اندر چھائی اداسی نے ماحول کی گھٹن بڑھا دی تھی۔

''آج دن کیسا گزرا؟''داتن کھنکھاری۔

''مصروف۔الیکشن سر پہ ہے نا۔''(جھکا چہرہ نہیں اٹھایا۔)

''تمہارا لیڈر جیت گیا تو؟''

''تو ہم اللہ کا شکر ادا کریں گے اور وزارتِ عظمیٰ کے الیکشن کی تیاری کریں گے۔''

''اور اگر ہار گیا تو؟''

تالیہ کا چمچ والا ہاتھ رکا۔آنکھیں اٹھا کے داتن کو دیکھا۔

''اگر وہ ہار گئے تو بھی ہم ہمت نہیں ہاریں گے۔ہار کو قبول کریں گے اور مثبت انداز میں دوبارہ سے کوشش کریں گے۔میں دونوں قسم کی صورتحال کے لئے تیار ہوں۔''دوبارہ سے چہرہ جھکا لیا اور سوپ کو چمچ بھرنے لگی۔

''پریشان ہو کسی بات پہ؟''

''عصرہ نے میرے خلاف تفتیش کھلوا دی ہے۔''اس نے مختصر الفاظ میں سارا واقعہ سنا ڈالا تو داتن تیزی سے سیدھی ہوئی۔

''میں تمہیں کہتی تھی تالیہ' مشہور آدمی کی باڈی وومن بننا تمہیں لوگوں کی نظروں میں لے آئے گا۔اف اب کیا ہوگا؟''وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے حال ہی میں جتنی جگہوں پہ کام کیا ہے' سب سے بات کر لی ہے۔''

''اوہ شکر۔'' داتن کو حوصلہ ہوا۔ ''کیا کہا ان لوگوں نے؟''

''سب نے کہا کہ وہ میرا کسی کو نہیں بتائیں گے اور ہر ثبوت مٹا دیں گے۔ ابھی تک ان میں سے کسی کو علم نہیں ہوا تھا کہ میں نے ان کے ہاں سے کچھ چرایا تھا۔'' وہ چہرہ جھکائے آہستہ آہستہ سوپ میں چمچ ہلا رہی تھی۔

''تو کیا وہ واقعی نہیں بتائیں گے؟''

''اونہوں۔ میں نے انہیں کہا ہے کہ وہ تفتیش کاروں کو سچ سچ بتا دیں کہ میں ان کے پاس کام کر چکی ہوں۔ سوپ پارلر اور تنگو کامل کے گھر سے تو ایک پراسیکیوٹر صاحب پھر بھی آئے ہیں۔''

داتن کا منہ کھل گیا۔ ''ہیں؟ تم نے ایسا کیوں کیا؟''

ہیئر بینڈ والی لڑکی نے چہرہ اٹھا کے اسے سادگی سے دیکھا۔ ''کیونکہ میں اس کھیل کو ''سچ'' کے ساتھ جیتنا چاہتی ہوں۔ اگر وہ جھوٹ بولتے تو بھی آس پاس کے اسٹریٹ کیم کی مدد سے میرے ان کے ہاں آنے جانے کے ثبوت مل ہی جاتے۔ لیکن سچ بول کے انہوں نے تفتیش کاروں کے شکوک کو پکا کر دیا ہے۔ جانتی ہو اب وہ پراسیکیوٹر کیا کرے گا؟''

''کیا؟'' داتن سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ مجھ سے ملنا چاہے گا اور میں اس کے لیے تیار ہوں۔'' وہ مخصوص انداز میں مسکرائی۔ ''اور تم بے فکر رہو۔ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

وہ ایک دفعہ پھر سے سر جھکا کے سوپ پینے لگی۔ سنہری بال دائیں بائیں ٹی شرٹ کے کندھوں پہ گر رہے تھے اور اس کا چمچ پیالے میں چل رہا تھا۔ داتن بس اسے دیکھے گئی۔ موم بتیوں کی روشنی میں اس کا چہرہ زرد لگ رہا تھا۔

''اور زندگی کا پلان ہے تالیہ کے پاس؟''

''کوئی لیکچر نہ دینا' داتن۔'' وہ بور سی ہوئی۔ ''میں سارے دن کی تھکی ہاری اب گھر آئی ہوں۔ اور میں بالکل نہیں سننا چاہتی کہ وان فاتح کے ساتھ رہنے کے مزید کتنے نقصانات ہیں۔''

''وان فاتح کے علاوہ کوئی تمہاری زندگی میں نہیں آ سکتا' تالیہ؟ کوئی تمہیں نہیں چاہ سکتا؟''

تالیہ نے خفا نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''میں جانتی ہوں اس کی چاہت وغیرہ کے بارے میں مگر میں اس میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ وہ میری ٹائپ کا نہیں ہے۔ اب وہ جتنا میرے آگے پیچھے پھرے' مجھے وہ نہیں پسند۔''

تبصرہ بے رحمانہ تھا۔داتن کا دل دکھا۔ناراضی سے اسے دیکھا۔

"ایسے نہیں کہتے' تالیہ۔وہ بے چارہ تم سے محبت کرتا ہے۔تم ایک دفعہ اس کے بارے میں سوچ کے تو دیکھو۔"

"اس کے بارے میں سوچنے کے لئے اس کی بہن کافی ہے۔" تالیہ نے ناک سکوڑ کے کہا تو وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔ صورتحال سمجھنے میں اسے چند لمحے لگے۔

"کون؟ اشعر؟"

"ظاہر ہے' اشعر۔" وہ برے موڈ سے کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔داتن بس اپنی اس نوجوان دوست کو دیکھ کے رہ گئی۔

"میرے قدیم ملاکہ جانے سے پہلے تم کہا کرتی تھیں کہ اشعر مجھ میں دلچسپی لے رہا ہے اور اب تو....خیر۔اب عصرہ محمود کے جرم کا پردہ فارش کرنے کا وقت ہے۔"

داتن کی بھوک مرگئی تھی۔اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ پلیٹ پرے کی اور آہستہ سے بولی۔

"عصرہ کے اتنے پرانے جرم کا سراغ تم کیسے لگاؤ گی؟ اوہ میں بھول گئی۔تم کے ایل کی بہترین انویسٹی گیٹر ہو جس کو لوگوں کے راز کھوجنے آتے ہیں۔" (پھر آہستہ سے بولی۔) "مگر دل نہیں۔"

"غلط۔میں انویسٹی گیٹر کبھی تھی ہی نہیں۔میں تو صرف اسکامر تھی۔اور کسی اچھے اسکام کی خوبصورتی کس بات میں ہوتی ہے' داتن؟" وہ ابھی تک چہرہ جھکائے سوپ کے چمچ پی رہی تھی۔

"ٹارگٹ کو لگنا چاہیے کہ یہ اس کا اپنا آئیڈیا ہے۔" داتن نے رٹا رٹایا جواب دیا۔اس کا دل عصرہ اور فاتح کے ذکر سے بالکل اچاٹ ہو گیا تھا۔

"اسی طرح میں نے کوئی تفتیش نہیں کرنی۔عصرہ محمود ہمیں خود بتائے گی کہ اس نے آریانہ کو کیسے مروایا تھا۔اس نے ایک باپ سے اس کی بیٹی چھینی تھی' اس کو سزا ملنی چاہیے۔" چمچ لبوں تک لائی اور پھر بے دلی سے واپس انڈیل دیا۔داتن نے اب کی بار غور سے اسے دیکھا۔

"تم آج اتنی اداس کیوں ہو؟"

تالیہ نے پیالہ پرے کھسکایا اور ٹشو نکال کے ہاتھ پونچھنے لگی۔کوئی جواب نہیں دیا۔

"تالیہ؟"

"مجھے اپنے بابا کا خیال آرہا ہے۔"

لیانہ صابری کا حلق تک کڑوا ہو گیا اور غصہ ایسا چڑھا کہ حد نہیں۔پہلے فاتح کا خاندان اور اب مراد راجہ؟ اف۔

"وہ....وہ ملاکہ کی اسٹوری کا ولن؟ جس نے تمہاری زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی؟ تمہیں اس کا خیال آرہا ہے اور یہاں اتنے

لوگ جو.... جو تم سے محبت کرتے ہیں ان کا کیا؟''

تالیہ مراد نے ہاتھ پونچھتے ہوئے سیاہ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''تالیہ بنتِ مراد سے مراد راجہ جتنی محبت کوئی نہیں کرسکتا۔ خود تالیہ بھی نہیں۔'' پھر پھونک مار کے موم بتیاں بجھا دیں، اور کرسی دھکیل کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ داتن نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ نیم اندھیر کمرے میں اب صرف کھڑکیوں سے باہر کی روشنی آرہی تھی۔

کچھ تھا جو اس میں بدل گیا تھا۔

☆......☆......☆

آج کل آفس میں علی الصبح ہی کام شروع ہو جاتا تھا۔

ایڈورٹائزنگ، سوشل میڈیا کیمپئین، ڈاکومینٹریز بنانا اور شہر کے مختلف علاقوں میں سیمینارز منعقد کر کے وہاں وان فاتح کی تقریر کا بندوبست کرنا، یہ کام صبح سے شروع ہو کے رات دیر تک چلتے رہتے تھے۔ چونکہ یہ پارٹی الیکشن تھا، اس لئے پورے ملک میں پھیلے اپنے ڈھائی لاکھ ووٹرز کو ان سیمینارز اور انٹرویوز کی سوشل میڈیا پہ ویڈیوز کے ذریعے متوجہ کرنا مقصود تھا۔

دونوں امیدواروں کے اسٹاف ڈھائی لاکھ لوگوں کو ان کے رجسٹرڈ سیل نمبرز پہ اپنا ووٹ لازمی ڈالنے کی طرف مائل کرنے والے پیغامات بھیج رہے تھے۔ غرض سارا دن سب اپنے کمپیوٹرز اور موبائلز میں سر دیے بیٹھے رہتے یا وان فاتح کے ساتھ کاغذوں میں گھرے سیمینارز کی تقریریں اور دوسرے امور سنبھالتے رہتے تھے۔ چند ورکرز اینالسٹ کے طور پہ کام کر رہے تھے اور روز شام کو وہ اعداد وشمار کا جائزہ لے کر اپنی کمزوریوں اور مخالف کی خوبیوں کی نشاندہی کرتے تھے۔

ایسی ہی ایک رپورٹ کے کاغذ ہاتھ میں لئے تالیہ کانفرنس روم کی گول میز کے گرد بیٹھی تھی اور اہم نکات پڑھ کے سنا رہی تھی۔

کانفرنس روم کی حالت عام دنوں کے برعکس کافی ابتر تھی۔ میز پہ جگہ جگہ کاغذوں اور فائلز کا ڈھیر لگا تھا۔ تین چار لیپ ٹاپ کھلے رکھے تھے۔ ایک کونے میں چھوٹی میز رکھ کے تین اسٹافرز بیٹھے ایک ہی کمپیوٹر پہ لگے، بحث کر رہے تھے۔ شیشے کی دیوار پہ جا بجا کاغذات چسپاں تھے جن پہ کیمپئین اسٹریٹجی کے اہم نکات لکھے تھے۔

بڑی گول میز کے گرد آدھ درجن لوگ بیٹھے تھے جن میں اشعر اور تالیہ کے سوا باقی آپس میں لگے کام کر رہے تھے۔

وہ دونوں فاتح کی طرف متوجہ تھے جو میز کے کنارے پہ بیٹھا تھا۔ آج اس نے ٹائی نہیں پہنی تھی اور شرٹ کے آستین موڑے ہوئے تھے۔ ماتھے پہ بال بکھیرے، عینک لگائے وہ اس رپورٹ کو خود پڑھتا، گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔ پھر وہ میز کے کنارے سے اٹھا اور ان دونوں کی طرف رخ موڑا۔

''حاکمی کے اسٹنٹ اچھے جا رہے ہیں۔ اور تین دن بعد الیکشن ہے۔ لوگ اب اس کو ووٹ دیں گے جو انہیں ان تین دنوں میں

متاثر کر سکے۔''

''میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔'' تالیہ دبے دبے جوش سے بولی تو ان دونوں نے اسے دیکھا۔ دوسرے لوگوں کے برعکس وہ کیمپئین کی نیلی شرٹ نہیں پہنتی تھی۔ آج بھی لمبے سفید فراک اور گردن میں پھولدار رنگ برنگے اسکارف کی گرہ باندھے' بالوں کا جوڑا بنائے بیٹھی وہاں سب میں ممتاز نظر آرہی تھی۔

''ہمیں حاکمی صاحب اور آپ کے درمیان ایک گرینڈ ڈی بیٹ (مباحثہ) رکھنی چاہیے جیسے ترقی یافتہ جمہوری ممالک کا کلچر ہے۔ دونوں امیدوار اسٹیج پہ کھڑے ہوتے ہیں۔ پہلے ایک بولتا ہے۔ پھر دوسرا۔ دونوں باری باری اپنا موقف پیش کرتے ہیں۔ پھر صحافیوں کے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔ میڈیا اس سب کو لائیو دکھاتا ہے۔ اس ڈی بیٹ میں دونوں امیدوار اپنے تئیں لوگوں کے مسائل کا حل بتاتے ہیں اور اپنی ترجیحات بھی۔ یوں عوام خود فیصلہ کر لیتے ہیں کہ کون سا امیدوار زیادہ بہتر ہے۔''

تالیہ نے تائیدی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ جہاں اشعر کو اس خیال نے پرجوش کیا' وہیں وان فاتح نے نفی میں سر ہلایا۔

''حاکمی میرے ساتھ ایک اسٹیج پہ..... ایک فریم میں کبھی نہیں کھڑا ہوگا۔'' اس کا اشارہ کیمرے کے فریم کی طرف تھا۔

''بالکل ہوگا' آبنگ۔'' اشعر کا لہجہ حتمی تھا۔ ''یہ اس کے لئے بھی ایک بھرپور پروموشن اسٹنٹ ہوگا۔ میں ابھی اس کے کیمپئین مینیجر سے بات کرتا ہوں۔'' وہ فون نکالتے ہوئے اٹھا اور ایک ستائشی نظر تالیہ پہ ڈالی۔ ''بہت اچھا آئیڈیا ہے چے تالیہ۔''

تالیہ نے جبراً مسکرا کے بس سر کو خم دیا۔ وہ دونوں اب رسمی گفتگو کی حد تک بات کرنے لگے تھے۔ اشعر باہر نکلا تو فاتح کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جماتے ہوئے افسوس سے سر ہلایا۔

''وہ کبھی نہیں راضی ہوگا۔''

''اشعر کو منانے کے ہزاروں طریقے آتے ہیں۔'' وہ پرسکون تھی۔ کانفرنس روم میں ان کے علاوہ بیٹھے ورکرز کی دونوں ٹولیاں زور وشور سے اپنی بحث میں لگی تھیں اور اتنا شور تھا کہ اگلی بات کہنے کے لئے فاتح کو آگے جھکنا پڑا۔ وہ دونوں اب گول میز کے ساتھ کرسیوں کا رخ آمنے سامنے کیے بیٹھے تھے۔

''اشعر اچھا آدمی ہے۔'' غور سے تالیہ کے چہرے کو بھی دیکھا۔ وہ مسکرائی اور آگے کو جھک کے آہستہ سے بولی۔

''وہ صرف پیسہ بنانے میں اچھا ہے اور وہ اس وقت یہاں اس لئے ہے کیونکہ اس کے پاس پیسہ ہے اور مجھے کیمپئین کے لئے اس سے پیسے لینے پڑے تھے جیسے ابوالخیر سے لئے تھے آپ کی نیلامی.....'' بولتے بولتے وہ ایک دم رکی۔

''جیسے کیا؟'' شور کے باعث فاتح نے بھی چہرہ آگے کو جھکا کے پوچھا۔ وہ گڑبڑا گئی۔

''میں کہہ رہی تھی کہ حاکمی مان جائے تو ہم ڈی بیٹ کی تیاری کرتے ہیں۔''

''وہ کبھی نہیں مانے گا۔''

تالیہ نے ابرو بھینچے۔''آپ کو کیسے معلوم؟''

وان فاتح مسکرایا اور ایک کہنی میز پہ رکھے مزید آگے جھکا۔''تاشہ.....میں چیئر مین بننے جا رہا ہوں' کیونکہ میں اپنی ہر پارٹی کے بندے کو جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ سیاسی پارٹیوں میں چیزیں کس طرح کی جاتی ہیں۔ کارکن سمجھتے ہیں (پہلے تالیہ اور پھر باہر گئے اشعر کی طرف مبہم سا اشارہ کیا) کہ وہ ہر چیز سمجھتے ہیں مگر کارکن' کارکن ہوتا ہے اور لیڈر' لیڈر رہتا ہے۔ ٹاپ پہ بیٹھے انسان کو ناپسندیدہ فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ وہ اپنی پارٹی کے لئے باپ کی طرح ہوتا ہے اور بعض دفعہ ہمارے greater good کے لئے ہمارے باپ دادا بھی ناپسندیدہ انتخابات کا چناؤ کرنے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ اوپر بیٹھے انسان کو نیچے کھڑا انسان صاف نظر آرہا ہوتا ہے۔ حاکمی پبلک میں جتنے اسٹنٹ کر لے میں اس کو جانتا ہوں۔ وہ کبھی میرے ساتھ اسٹیج پہ کھڑا نہیں ہوگا۔''

دروازہ کھلا تو وہ چونکی۔ اشعر اندر آرہا تھا۔ چہرے پہ مایوسی تھی۔

''میں نے بہت اصرار کیا۔ ان کا کیمپیئن مینیجر بھی راضی ہو گیا تھا مگر جب اس نے حاکمی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔''

تالیہ نے بے اختیار فاتح کو دیکھا۔ وہ اب ٹیک لگا کے بیٹھا' انگلی گال تلے رکھے مسکرا رہا تھا۔ چہرے پہ''told you'' والے تاثرات تھے۔ تالیہ نے خفگی سے بھنویں بھنچی۔

''آخر کیوں؟ یہ ان کے اپنے لئے بھی اتنا بڑا پبلسٹی اسٹنٹ بن سکتا تھا۔'' ساری رات سوچنے کے بعد آیا آئیڈیا یوں رد ہو جائے گا' اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

''کیونکہ وہ مجھ سے قد میں پانچ انچ چھوٹا ہے۔ وہ ایک فریم میں میرے ساتھ کبھی بھی نہیں کھڑا ہونا چاہے گا کیونکہ اسے بچپن سے اپنے قد کا احساسِ کمتری ہے۔''

''آپ انہیں بچپن سے جانتے ہیں کیا؟'' وہ خفا تھی۔

''میں اسے جتنا جانتا ہوں' وہ کافی ہے۔'' اس نے مسکرا کے ابرو اٹھایا تو وہ برا منہ بنا کے چپ ہو گئی۔ اشعر خاموشی سے باری باری ان دونوں کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''مگر تمہارا آئیڈیا اچھا تھا' تاشہ۔'' فاتح نے سراہتے ہوئے میز پہ رکھا اخبار اٹھایا۔''مجھے ایک ڈیبیٹ کرنی چاہیے تاکہ عوام دیکھ سکیں کہ بہتر لیڈر کون ہے۔ لیکن یہ حاکمی کے ساتھ نہیں ہونی چاہیے۔''

اخبار کا صفحہ کھول کے اس پہ چھپی بڑی سی تصویر تالیہ کے سامنے کی۔

''عوام کو مجھے اس عورت کے سامنے بولتے دیکھنا چاہیے جس کے ساتھ باریسن نیشنل کے چیئرمین کا مقابلہ اگلے سال الیکشن میں ہوگا۔''

تالیہ کی نظریں اخبار کے صفحے پہ پھسلیں۔ وہاں صوفیہ رحمٰن کی بڑی سی تصویر چھپی تھی۔ اس کے ابرو بے یقینی سے اٹھے۔

''صوفیہ رحمٰن کا اس الیکشن سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کبھی بھی راضی نہیں ہوگی۔''

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ ان مسئلوں کو ہینڈل کرنے کے لئے ہی میں نے ایک کیمپئین مینیجر ہائر کی ہے۔'' تالیہ کی طرف اشارہ کیا اور اخبار میز پہ ڈال کے اٹھا۔

''مجھے صوفیہ رحمٰن کے ساتھ ڈی بیٹ کرنی ہے۔ اگر یہ ڈی بیٹ اچھی چلی گئی، تو ہم الیکشن جیت جائیں گے۔ تمہیں جو بھی کرنا پڑے، تم کرو مگر مجھے یہ ڈی بیٹ چاہیے۔'' باس حکم سنا کے دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا اور وہ ہکا بکا بیٹھی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اشعر کھنکھارا تو وہ گم صم سی اس کو دیکھنے لگی۔

''اب ہم کیا کریں، تالیہ؟'' وہ فکرمند لگ رہا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر سے ''ہم'' ہو گئے تھے۔

''کچھ تو کرنا پڑے گا۔ اگر یہ ڈی بیٹ نہ ہوئی اور ہم الیکشن کسی اور وجہ سے ہار بھی گئے تو سارا ملبہ کیمپئین مینیجر پہ گرے گا۔'' اس نے تلخی سے کہتے ہوئے اخبار اٹھا لی۔

''آبنگ عجیب باتیں کرتے ہیں۔ وہ ملک کی وزیرِ اعظم ہے۔ وہ کبھی نہیں مانے گی۔''

''وہ لیڈر ہیں اور ہم کارکن۔ ہمارا کام ہے ان کی بات ماننا اور صوفیہ کو منانا۔'' وہ فکرمندی سے اخبار کے صفحے پہ نظریں دوڑا رہی تھی۔

''ایک امیر اور طاقتور عورت کو کیسے منایا جا سکتا ہے؟''

تالیہ نے نظریں اٹھا کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''اسے con کر کے۔''

اشعر نے ادھر ادھر دیکھا۔ دوسرے لوگ ہنوز اپنے کاموں میں لگے تھے۔ شور اسی طرح پھیلا تھا۔ اس نے پہیوں والی کرسی آگے کی اور تالیہ کی طرف جھکا۔

''اور ہم اس کو con کیسے کریں گے؟'' وہ اچھنبے سے بولا۔ ''اس کی کمزوری ڈھونڈ کے؟''

''اونہوں۔ اسے بلیک میلنگ کہتے ہیں۔ con game الگ چیز ہوتی ہے۔ اس میں ہمیں ٹارگٹ کے ساتھ کانفیڈنس گیم کھیلنی ہوتی ہے۔ ہمارا ٹارگٹ کس چیز پہ سب سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے؟ کس پہلو سے اسے نقصان کی فکر نہیں ہوتی؟ ہم اس طرف سے اس کو کوئی ایسی آفر دے سکتے ہیں جس کو وہ ٹھکرا نہ سکے۔ مجھے سوچنے دیں۔'' وہ الجھی الجھی سی صفحات پلٹتی کہہ رہی تھی۔ فاتح نے ایک دم ہر چیز مشکل بنا دی تھی۔ اگر وہ یہ کام نہ کر سکی تو اس کی ساری محنت، ساری ریاضت رائیگاں چلی جائے گی۔

☆......☆......☆

آرٹ گیلری کا مرمریں فرش اس دوپہر ٹھنڈا پڑا تھا۔ دور تک پھیلی دیواروں پہ جا بجا پینٹنگز آویزاں تھی اور لوگ ٹہلتے ہوئے ان کا جائزہ لے رہے تھے۔ بڑے سے ہال میں مقدس سی خاموشی چھائی تھی۔ ایک قدم آدم پینٹنگ کے سامنے عصرہ محمود کھڑی' گردن اٹھائے غور سے اسے دیکھ رہی تھی جب اسے قریب آتے قدم محسوس ہوئے۔ وہ مڑی نہیں' بس پینٹنگ پہ نگاہیں مرکوز کیے بولی۔

''میرے لائق کوئی خدمت' چے تالیہ؟'' لہجہ طنزیہ اور خشک تھا۔ جواب نہ آیا تو وہ پلٹی۔ سفید لمبے فراک اور پھولدار مفلر والی تالیہ قریب پہنچ چکی تھی اور اس کا سانس پھولا ہوا تھا' گویا بھاگ کے آئی ہو۔

''فون پہ بتانے والی بات نہیں تھی اور وقت کم ہے۔ ہمیں آپ کی مدد چاہیے۔'' وہ چھوٹتے ہی کہنے لگی۔ عصرہ کھلے دل سے مسکرا دی۔

''اپنے شوہر کو وزیرِاعظم بنانے کے لئے میں سب کرنے کو تیار ہوں۔''

اسکرٹ بلاؤز کے اوپر سر پہ اسٹول اوڑھے' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی کسی ملکہ کی مانند لگتی تھی۔ شہزادی تاشہ کو آریانہ یاد آئی۔ (ظالم ملکہ نے اسے کیوں مروایا؟ کیا وجہ تھی آخر؟)

''آپ کو ایک کام کرنا ہوگا۔'' کہتے کہتے تالیہ نے اس کے کندھے کے پیچھے دیوار پہ آویزاں پینٹنگ کو دیکھا۔ پھر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔

''کیا آپ اس کو خریدنے جا رہی ہیں؟''

''اب اس ملک میں رہنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو کام بھی کرنا ہوگا۔ اسی لئے آج یہاں آئی ہوں تا کہ کچھ شہ پارے خرید سکوں۔ میری گیلری ابھی تک بند پڑی ہے۔ اس کو دوبارہ سے چالو کرنا ہے۔ کیمپین مینیجر کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟'' ٹون طنزیہ ہوگئی۔

''آپ کے فیصلے سے یاد آیا....'' تالیہ نے ماتھے کو چھوا۔ ''آریانہ والا معاملہ۔'' بات ادھوری چھوڑی تو عصرہ نے تھوک نگلا۔

''کون سا معاملہ؟''

تالیہ نے دائیں بائیں دیکھا' پھر اس کے قریب ہوئی۔ ''اگلے سال چونکہ ہم نے صوفیہ رحمٰن کے خلاف الیکشن لڑنا ہے' اس لئے میں نے سوچا ابھی سے اس کے آریانہ کے قتل میں ملوث ہونے کے ثبوت ڈھونڈنے چاہئیں۔'' وہ رازداری سے بتا رہی تھی اور عصرہ کے اعصاب تن رہے تھے۔

''ویری گڈ۔ کچھ ملا؟''

''ایک دوست ہے انٹیلی جنس ایجنسی میں۔ اس کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ اور گیس کریں اس نے کیا بتایا؟''

عصرہ کے سینے پہ لپٹے بازوؤں نے ایک دوسرے کو سختی سے بھینچ لیا۔ بہت ضبط سے وہ چہرے پہ تعجب سجا کے پوچھنے لگی۔

''کیا؟''

تالیہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے رازداری سے بولی۔ ''صوفیہ رحمن نے آریانہ کو نہیں مروایا۔''

عصرہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ چہرہ گلابی پڑنے لگا۔ ''ناممکن۔ اگر وہ نہیں ہے تو پھر کون ہے؟'' وہ برہم ہوئی۔

''کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ میرے دوست نے بہت وثوق سے بتایا ہے کہ آریانہ زندہ ہے۔''

عصرہ کے بازو ڈھیلے سے ہو کے پہلوؤں میں جا گرے۔ لب شاک سے کھل گئے۔

''کیا؟'' وہ ششدر رہ گئی تھی۔

''مگر فاتح نے خود اس کو دفنایا تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''وان فاتح نے جو لاش دیکھی تھی' وہ مسخ شدہ تھی۔ بچی کا چہرہ واضح نہ تھا۔ میرے دوست کا کہنا ہے کہ اغوا کاروں کو آریانہ کے پیچھے بھیجنے کے بارے میں پہلے سے کسی تیسرے فریق کو معلوم ہو گیا تھا۔ ان اغوا کاروں کا کھائی میں گر کے مر جانا اور آریانہ کی مسخ شدہ لاش کا ملنا اتفاق نہیں تھا۔ ایک ایجنسی کی خفیہ تفتیشی رپورٹ میں یہ معلوم ہوا تھا کہ کوئی تیسرا فریق اغوا کاروں کو مار کے بچی کو وہاں سے لے گیا تھا اور وہ لاش آریانہ کی نہیں تھی۔ آریانہ اب بھی زندہ ہے اور اس کے اغوا کاروں کو کس نے بھیجا تھا' یہ سب اس رپورٹ میں لکھا تھا مگر صوفیہ رحمن نے رپورٹ redact کر کے دبا دی تھی۔ وہ اس کو اگلے الیکشن کے وقت وان فاتح کے خلاف استعمال کرنا چاہے گی۔''

عصرہ کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ اس کی ہتھیلیوں پہ پسینہ آنے لگا۔ (وہ اگلے الیکشن میں بتائے گی کہ وان فاتح کی بیوی قاتلہ ہے؟ یااللہ۔)

''آپ ماں ہیں اس لئے آپ کو بتا رہی ہوں۔ فاتح صاحب کو ابھی مت بتائیے گا۔ اگر یہ بات غلط نکلی تو ان کا دل بری طرح ٹوٹے گا۔'' وہ بہت ہمدردی سے بتا رہی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' اس نے جھرجھری لی۔ ''وہ.....وہ رپورٹ.....وہ کس کے پاس ہے؟''

''وہ redacted ہے اور ایسی رپورٹس کو نکلوانے کے لئے ہائی انٹیلی جنس کلیئرنس چاہیے ہوتی ہے۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ وہ نکل آئے۔ خیر.....ابھی میں کسی اور کام کے لئے آئی تھی۔''

عصرہ کا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ بدقت اس نے تمام خیالات کو ذہن سے جھٹکا۔

''تم نے مجھے کنفیوزڈ کر دیا ہے۔ پتہ نہیں ہماری بیٹی کہاں ہو گی۔ خیر.....کام بتاؤ۔''

عصرہ محمود کچھ دیر پہلے والی گردن کڑا کے کھڑی عورت نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے کندھے ڈھلک چکے تھے اور وہ اندر تک ہل گئی تھی۔

''آپ کے پاس ایک چینی ملکہ کی اینٹیک ہیئر پن تھی۔ ہے نا؟''

''ہاں۔ وہ میری پرائیوٹ کلیکشن میں ہے۔ کیوں؟'' اس نے الجھ کے تالیہ کو دیکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار میں بیٹھتے ہوئے تالیہ فون پہ کہہ رہی تھی۔

''جانتی ہو میری سپر پاور کیا ہے، داتن؟ کہانیاں گھڑنا۔ میں نے ابھی ایک کہانی عصرہ کو سنائی ہے جس کے بعد وہ اس خوف میں چلی جائے گی کہ کوئی اس کا راز جانتا ہے اور آریانہ کا بھوت کسی تلوار کی طرح اس کے سر پہ لٹک رہا ہے۔ جانتی ہو اس کے بعد وہ کیا کرے گی؟''

''وہ اپنا جرم کور اَپ کرنے کی کوشش کرے گی۔ وہ اپنے قدموں کے نشانات کو مٹانے کے لئے واپس اسی راستے پہ جائے گی جس کے ذریعے اس نے یہ جرم کروایا تھا۔'' داتن سمجھ گئی تھی۔

''اور اس طرح ہم اس کو پکڑیں گے۔ میں نے کہا تھا نا، ہم انویسٹی گیٹرز نہیں ہیں داتن، ہم اسکامرز ہیں۔'' مسکرا کے فون رکھا اور کار اسٹارٹ کرنے لگی۔ وہ بیک وقت دو ملکاؤں کے ساتھ con game کھیل رہی تھی اور کھیل دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ خطرناک بھی ہوتا جا رہا تھا۔ فون رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔ نامعلوم نمبر ہونے کے باوجود اس نے کال اٹھالی۔

دوسری طرف سے مدعا سن کے وہ مسکرائی۔

''شیور۔ پراسیکیوٹر صاحب۔ مجھ سے ملنے کسی بھی وقت آسکتے ہیں۔ مگر پلیز مجھے تھوڑا وقت دیں۔ پرسوں الیکشن ہے تو کیا ہم اس کے بعد کی ملاقات رکھ لیں؟ شیور۔ تھینکس۔ اگلے ہفتے آپ کسی بھی دن آجائے۔ ویسے آپ کون ہیں؟ اوہ اچھا ان کے انویسٹی گیٹر۔ ویسے انہوں نے کیوں ملنا ہے مجھ سے؟ چلیں ٹھیک ہے' میں ملاقات میں ان سے خود معلوم کرلوں گی۔ او کے بائے۔'' فون رکھا اور مسکرا کے کار کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔

پراسیکیوٹر سے ملنے کے لئے اسے صرف ایک ہتھیار چاہیے تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک بک شاپ میں کھڑی سیلز مین سے کہہ رہی تھی۔

''مجھے بنگا راملا یو خریدنی ہے۔''

☆......☆......☆

وہ ایک نو تعمیر شدہ میوزیم تھا جس کی عمارت کے مرکزی دروازے پہ کٹا ہوا ربن اور پھولوں کی پتیاں گری تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے اس کا افتتاح کیا گیا تھا اور اب معزز مہمانانِ گرامی اندر ہال میں بچھی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ ہال کی چھت بیسیوں فٹ اونچی تھی اور جھملاتے فانوسوں سے سجی تھی۔ ایک طرف دور دور تک نئے نکور شوکیسز میں مقید شہ پارے دکھائی دے رہے تھے۔ دوسری طرف مہمانوں کی کرسیوں کی بیس پچیس قطاریں بچھی تھیں۔ سامنے اسٹیج تھا جہاں ڈائس کے پیچھے صوفیہ رحمٰن کھڑی مسکراتے ہوئے تقریری انداز میں کہہ رہی تھی۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آج مسز عزت نے اپنے میوزیم کا افتتاح میرے ہاتھوں سے کروایا۔''

صوفیہ نے اسٹیج پہ کرسی پہ بیٹھی بوائے کٹ بالوں اور منی اسکرٹ میں ملبوس اسمارٹ سی خاتون کی طرف اشارہ کیا جس نے مسکرا کے سر کو تعظیمی خم دیا۔ اس کے چھوٹے بالوں میں سجی ہیروں سے مزین ہیئر پن دور سے چمک رہی تھی۔

''عزت میرے والد کی پرانی کارکن بھی رہی ہیں اور فین بھی۔'' صوفیہ کا مسکراتا چہرہ دمک رہا تھا۔ سر پہ سفید اسکارف پہنے' وہ جامنی رنگ کے باجو کرنگ میں ملبوس تھی اور اس کی انگلیوں میں انگوٹھیاں جگر جگر چمک رہی تھیں۔

''مجھے خوشی ہے کہ عزت نے اپنے میوزیم کے سب سے نمایاں مقام پہ میرے والد اور اپنی اس تصویر کو جگہ دی ہے جو غالباً بیس سال پہلے اتاری گئی تھی۔ بیس سال؟'' گردن موڑ کے چھوٹے بالوں اور اتھلیٹک جسامت والی عزت سے پوچھا۔

''اٹھارہ سال۔'' اس نے تصیح کی تو صوفیہ رحمٰن سامعین کی طرف مڑی اور مسکرا کے تصیح کی۔ ''اٹھارہ برس پہلے بابا کو جب ٹین ایجر عزت کالج فنکشن میں ملی تھیں' تب یہ تصویر اتاری گئی تھی۔''

وہ تصویر قد آدم پورٹریٹ کی صورت اسٹیج کی پشت پہ رکھی گئی تھی۔ یہاں سے تمام مہمانانِ گرامی اس کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ ایک نوجوان لڑکی ایک سیاستدان سے اسکول کے اسٹیج پہ انعام وصول کر رہی تھی۔

''آرٹ کے موضوع پہ اتنی لمبی تقریریں سن کے آپ تھک گئے ہوں گے۔ اس لئے اب میں اپنا بھاشن بند کرتی ہوں۔ اگر کسی کا کوئی سوال ہو تو پلیز پوچھیے۔'' وہ بہت شگفتگی سے کہہ رہی تھی۔ مسکراتی آنکھیں سامنے دور دور تک بیٹھے مہمانوں پہ جمی تھیں۔ چند لوگوں نے ہاتھ کھڑے کیے۔

نیچے مائیک لئے کھڑا ورکر مہمانوں کی قطاروں کے اندر جانے لگا تاکہ سوال پوچھنے والے کو مائیک تھما سکے البتہ جانے سے پہلے اس نے ایک نظر اسٹیج پہ بیٹھی اپنی مالکن پہ ڈالی ۔عزت نامی اس آرٹ کلیکٹر نے پلکوں کو جھپک کے اسے اشارہ کیا تو وہ درمیانی راستے پہ چلتا پچھلی نشستوں تک چلا آیا اور ایک شخص کو مائیک تھمایا۔

وہ سیاہ پینٹ پہ گرے ڈریس شرٹ پہنے' آستین کہنیوں تک موڑے ہوئے تھا۔ بال ماتھے پہ سامنے کو گر رہے تھے اور آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ مائیک تھام کے وہ کرسی سے اٹھا۔ دراز قد' صاف رنگت کا وجیہہ صورت مرد۔ اسٹیج پہ کھڑی صوفیہ رحمٰن نے پتلیاں سکوڑ کے اس پہ فوکس کرنا چاہا۔ جانا پہچانا چہرہ۔

''ایک ملے شہری ہونے کے ناتے میرے پانچ سوال ہیں ملکہ....سوری....وزیرِ اعظم صاحبہ سے۔ اجازت ہو تو پوچھ لوں' یا ننگ امت برحرمت؟ (عزت مآب)''

ڈائس پہ ہتھیلیاں رکھ کے کھڑی صوفیہ کا سانس رک گیا۔ شکل دور سے پہچاننے میں اگر دس سیکنڈ لگے تو آواز پہچاننے میں لمحہ بھی نہ لگا تھا۔ لوگ ایک دم گردنیں موڑ موڑ کے دیکھنے لگے۔ وان فاتح بھی کہہ کے رکا نہیں۔ کرسیوں کی قطاروں کے درمیانی راستے پہ آگے بڑھنے لگا۔ مائیک لبوں سے لگا رکھا تھا۔

''آہا....وان فاتح آئے ہیں۔'' صوفیہ بھرپور طریقے سے مسکرائی اور گردن موڑ کے ایک سلگتی نظر عزت پہ ڈالی جو سپاٹ سا مسکرا

رہی تھی۔ بالوں کی ہیئر پن کی چمک بڑھ گئی تھی۔ (اس کو تو وہ بعد میں دیکھ لے گی۔)

آخری قطار میں بیٹھی عصرہ نے اپنے ساتھ موجود تالیہ کے قریب سرگوشی کی۔

''تمہیں یقین ہے یہ طریقہ کام کر جائے گا؟''

''یہ طریقہ کام کر چکا ہے' مسز عصرہ۔ صوفیہ رحمٰن ایک ڈو بتا تائی ٹینک ہے۔ اور پھر عزت آپ کی دوست ہے۔ اسے صوفیہ کے علم میں لائے بغیر ہمیں فنکشن پہ بلانا اور فاتح صاحب کو بولنے کا موقع دینا اتنا مہنگا سودا نہیں لگا ہوگا۔ وان فاتح اگلے وزیرِ اعظم ہیں۔''

''مہنگا تو یہ مجھے پڑا ہے۔ وہ ہیئر پن جو میں نے اسے جبراً گفٹ کی ہے' وہ بہت قیمتی تھی۔'' عصرہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔ ''لیکن خیر.... میں فاتح کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔''

تالیہ نے نگاہوں کا رخ موڑ کے اسے دیکھا۔ ''واقعی۔ فاتح کے لئے آپ کچھ بھی کر سکتی ہیں۔''

(آریانہ کا قتل بھی۔)

''جی' یا نگ امت بر حرمت۔ فاتح بن رامزل آیا ہے۔''

ادھر وہ وزیرِ اعظم کی بات کا جواب دیتا چلتے ہوئے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ لوگ حیرت اور جوش سے گردنیں موڑ موڑ کے اسے دیکھ رہے تھے۔ دبی دبی سرگوشیاں شروع ہو چکی تھیں۔

''بہت معذرت کہ میں دیر سے پہنچا مگر صد شکر کہ میں نے سوالات کا وقفہ مس نہیں کیا۔ مجھے بطور شہری آپ سے.....''

''چار سوال پوچھنے ہیں۔ پوچھیے نا۔'' وہ بظاہر مسکرا کے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''حالانکہ اصولاً اس وقت آپ کو اپنی کیمپیئن میں مصروف ہونا چاہیے تھا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے مگر میری آرٹ lover بیوی ایسی تقریبات نہیں چھوڑتی۔''

قطار میں کیمرے لئے موجود میڈیا کے نمائندے اب دھڑا دھڑ رخ موڑے وان فاتح اور دور پیچھے بیٹھی عصرہ کی تصاویر بنا رہے تھے۔

''یا نگ امت بر حرمت۔'' وہ کھنکھار کے مائیک لبوں کے قریب کیے پوچھنے لگا۔ مسکراتی نظریں اسٹیج پہ کھڑی صوفیہ پہ جمی تھیں جس کے اطمینان اور مسکراہٹ میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

''میرا آپ سے پہلا سوال۔ آپ کیسی ہیں؟''

ہال میں دبا دبا سا قہقہہ گونجا۔ کوئی سر جھکا کے ہنسا' کسی نے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ وہ خود بھی مسکرا رہا تھا۔

صوفیہ نے ڈائس کے مائیک پہ چہرہ جھکایا ایسے کہ چمکتی آنکھیں فاتح پہ مرکوز تھیں۔

اللہ کا بہت بہت شکر ہے۔ میں اچھی ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟''

''اوہ تو آپ چاہتی ہیں کہ ہر وہ سوال جو میں آپ سے پوچھوں' وہ آپ آخر میں میری طرف لوٹا دیں۔ اٹس اوکے۔ مجھے منظور ہے۔ میں بھی ٹھیک ہوں۔''

لاگ پھر سے ہنسے تھے۔ وہاں آرٹ اور بزنس کمیونٹی کے مہذب لوگ بیٹھے تھے اور انہیں یہ گفتگو محظوظ کر رہی تھی۔

ایسے میں عزت اپنی جگہ سے اٹھی اور مائیک پہ وان فاتح کو اوپر آنے کی دعوت دی۔ صوفیہ نے بھی تائیدی انداز میں سر کو خم دیا۔ وہ وان فاتح بن رامزل تھا۔ اسے اسٹیج سے کم کسی جگہ پہ نہیں کھڑا کیا جا سکتا تھا۔

''بے شک یہ آرٹ کی محفل ہے لیکن میں سیاسی آدمی ہوں۔ مجھے آرٹ کا کچھ علم نہیں۔ اس لیے میرا دوسرا سوال'' وہ اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے مائیک میں بولا۔

''کیا آپ نے الیکشن کے وقت اپنی تمام پراپرٹی سے عوام کو آگاہ کیا تھا؟ ملائیشیاء میں دو فیکٹریوں اور دو گھروں کے علاوہ باقی دنیا میں آپ کی کوئی دوسری پراپرٹی.... کوئی آف شور ملکیت ہے جس سے ہم ناواقف ہوں؟''

وہ اسٹیج پہ اس سے چند فٹ کے فاصلے پہ آ کھڑا ہوا یوں کہ دونوں کا رخ حاضرین کے سامنے تھا۔ وہ ڈائس پہ کہنی جمائے' ذرا مڑ کے اسے دیکھ رہی تھی اور فاتح مائیک پکڑے کھڑا حاضرین اور صوفیہ دونوں کو باری باری دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔ فاتح صاحب۔ میں بہت ذمہ داری سے آپ کو بتا رہی ہوں کہ میری جو جائیداد ہے وہ ملائیشیاء میں ہے۔ میرا جینا میرا مرنا' سب ملائیشیاء میں ہے۔ میں نے کبھی ملک سے باہر کوئی جائیداد نہیں بنائی۔''

وہ اعتماد سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ پھر رک کے پوچھا۔ ''اور آپ نے؟''

''میری تو وہی جائیداد ہے جو الیکشن کے وقت میں نے بتا رکھی ہے۔ میرے پاس مزید کچھ نہیں ہے (کندھے اچکائے) مگر آپ بالکل شیور ہیں کہ آپ کی دوسری کوئی جائیداد نہیں ہے؟''

''کیا یہ تیسرا سوال ہے؟'' وہ محظوظ انداز میں بولی تو لوگ ہنس پڑے۔

''نہیں یہ سوال نمبر دو کا دوسرا پارٹ ہے۔''

''گڈ۔ میں بالکل شیور ہوں۔ میں نے اپنی جائیداد سے متعلق کبھی جھوٹ نہیں بولا۔''

''اوکے۔ میں اس بات کو یاد رکھوں گا۔'' اس کے انداز میں کوئی تنبیہہ تھی جو صوفیہ رحمٰن کو اندر سے بے چین کر گئی مگر اس کی مسکراہٹ لمحے بھر کو بھی چہرے سے جدا نہیں ہوئی۔

''تیسرا سوال۔ آپ کے خیال میں لوگوں کا ووٹ ڈالنا کیوں ضروری ہے؟ کیونکہ ہر شخص سوچتا ہے کہ ایک میرے ووٹ سے کیا ہو گا۔ آپ ووٹرز کو کیسے اس بارے میں سمجھانا چاہیں گی؟''

''میں اس بات کے خلاف ہوں کہ ایک ووٹ سے کچھ نہیں ہوتا۔ بہت کچھ ہوتا ہے۔'' وہ چہرہ حاضرین کی طرف موڑے مدبر

انداز میں کہنے لگی۔ ''آپ میں سے ہر شخص کا ووٹ اہم ہے کیونکہ قطرہ قطرہ مل کے سمندر بنتا ہے۔ اگر ہر شخص گھر بیٹھ جائے اور سوچے کہ اس کا ووٹ بے معنی ہے تو تبدیلی کیسے آئے گی؟ اور اگر ہر شخص ووٹ ڈالنے نکل آئے تو معاشرہ بدل سکتا ہے۔ سب کے ووٹ مل کے ایک بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔ آپ ایسے ناامید ووٹرز کو کیسے سمجھائیں گے؟'' چہرہ موڑ کے طنز سے فاتح کی طرف دیکھا۔

وہ جو دوسرے مہمانوں کے سوٹ ٹائی کے برعکس سادہ حلیے میں وہاں کھڑا تھا' اس سوال پہ اسی سادگی سے کندھے اچکائے۔

''مجھے توقع تھی کہ آپ یہی قطرہ قطرہ سمندر والا جواب دیں گی کیونکہ آپ 'وزیراعظم صاحبہ' لوگوں کو 'انسانوں' کی بجائے ''ووٹرز'' کے طور پہ دیکھتی ہیں۔ کیا بطور ایک لیڈر ہم لوگوں کو ووٹ ڈالنے کو اس لئے کہتے ہیں تاکہ وہ بھاری اکثریت سے اپنی پارٹی کو جتوائیں؟ کیا یہ ووٹرز انسان نہیں' دماغ نہیں' دل نہیں' صرف نمبرز ہیں؟ سوری میم' مگر میں ایسے نہیں سوچتا۔''

وہ افسوس سے کہنے لگا تو ہال میں سناٹا چھا گیا۔ شگفتگی سے شروع ہوئی گفتگو تناؤ والے ماحول میں ڈھلنے لگی۔ خود صوفیہ بھی چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ مائیک پکڑے اب مجمع کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بعض دفعہ آپ کے ووٹ سے واقعی الیکشن کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ کے ووٹ سے امیدواروں کے جیتنے یا ہارنے کے فیصلے نہیں ہوتے لیکن پھر بھی آپ کو ووٹ ڈالنا چاہیے۔ اس لئے نہیں تاکہ سب کے ووٹ مل کے کسی کو جتوا دیں یا کسی کو ہرا دیں بلکہ اس لئے کہ ہر انسان یونیک ہوتا ہے۔ ہر انسان اہم ہوتا ہے۔ اللہ نے آپ سب کو الگ دماغ' الگ دل اور الگ سوچ دی ہے۔ آپ کو اپنی رائے کی عزت کرنا آنا چاہیے۔ آپ کو اسی لئے ووٹ دینا چاہیے کیونکہ وہ آپ کی آواز ہے' آپ کا احتجاج ہے ۔ آپ 'ایک' ہیں۔ اکیلے ہیں تو بھی ووٹ دیں تاکہ آپ کی اپنی نظروں میں اپنی رائے معتبر ہو جائے۔ آپ کی سوچ کی عزت ہو۔ بھلے آپ کا پسندیدہ امیدوار نہ جیتے' آپ کو اپنے حصے کی آواز اٹھانی ہے۔ آپ اپنے ووٹ کے لئے جوابدہ ہیں۔ چاہے قطرہ قطرہ مل کے قلزم نہ بھی بنے' چاہے تبدیلی اور انقلاب نہ بھی آئے' مگر آپ کو اپنی آواز کو سستی یا ناامیدی سے دبانا نہیں چاہیے۔''

وہ خاموش ہوا تو ہال میں تالیاں گونجنے لگیں۔ ڈائس کے پیچھے کھڑی صوفیہ ہنوز مسکراتی رہی۔ فاتح نے پھر سے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''میرا آخری سوال۔ آپ کی پارٹی کے بہت سے سیاستدانوں کے اوپر کرپشن کے سنگین الزامات ہیں۔ کیا آپ اگلے الیکشن میں پھر سے انہی داغدار دامن والے سیاستدانوں کو ٹکٹ دیں گی؟ اور اگر دیں گی' تو کیوں؟''

''اس سوال کے بھی دو حصے ہیں۔'' وہ مسکرا کے مائیک پہ جھک کے بولی۔ ''اس لئے اول تو میرے آس پاس کوئی مجرم' کوئی کرپٹ سیاستدان ہے نہیں لیکن میرے وہ چند ساتھی جن پہ پچھلی حکومتوں میں سیاسی عناد کے باعث کیسز بنے تھے' ان کی پارٹی کے لئے خدمات ہیں اور وہ electable ہیں۔ آپ کے لئے وہ کرپٹ ہیں' میرے لئے وہ میرے پرانے کارکن ہیں۔ میں ان کو کسی قیمت پہ

پارٹی سے الگ نہیں کروں گی کیونکہ میں فرشتے ڈھونڈ کے نہیں لاسکتی۔ سیاست میں شریف اور نیک نام لوگ اسی لئے آنا پسند نہیں کرتے کیونکہ یہاں اتنا کیچڑ اچھالا جاتا ہے کہ لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں مگر میں چونکہ خود ایماندار ہوں اس لئے میں یہ گارنٹی دے سکتی ہوں کہ اگر اوپر بیٹھا شخص ایماندار ہو تو وہ اپنے سخت قوانین سے نیچے موجود لوگوں کو فرشتہ بننے پہ مجبور کرسکتا ہے۔'' پھر گردن موڑ کے استہزائیہ نظروں سے فاتح کو دیکھا۔''اور آپ وان فاتح؟ آپ سو کالڈ کرپٹ لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کریں گے؟''

''اگر میں سو کالڈ کرپٹ لوگوں کو شامل کرنے لگوں تو مجھ سے بڑا منافق کوئی نہیں ہوگا' یانگ امت برحرمت۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔''میں اگر باریسن نیشنل کا چیئرمین بنا تو میں اپنے لوگوں سے ایک وعدہ کرتا ہوں کہ میں کسی کرپٹ شہرت رکھنے والے سیاستدان کو اپنے ساتھ نہیں شامل کروں گا۔ میں اس بات کو نہیں مانتا کہ صرف اوپر بیٹھے شخص کا ایماندار ہونا کافی ہے۔ نہیں' میم۔ گو کہ یہ درست ہے کہ سخت قوانین ہر کسی کو فرشتہ بننے پہ مجبور کردیتے ہیں لیکن یہ قوانین ممبرز پارلیمنٹ کو بنانے ہوتے ہیں۔ لیڈرز جب داغدار دامن والوں کو ساتھ ملاتے ہیں اور اس خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ وہ اس کرپٹ ٹولے کو بدل دیں گے' تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ہر کرپٹ آدمی جوان کے ساتھ شامل ہورہا ہے' وہ اس الحاق کی ایک روز قیمت مانگے گا اور اگر آپ ابھی ان کے اعمال سے صرفِ نظر کررہے ہیں تو کیا گارنٹی ہے کہ آپ آگے بھی ان کی بدکاریوں کو نظرانداز نہیں کریں گے؟ سخت قوانین سارے ملک کو ''تندرست'' کرسکتے ہیں لیکن بیماردل والے سخت قوانین نہیں بناسکتے۔ آپ کی ٹیم کو معروفاً ایماندار ہونا چاہیے اور میں اسی لئے کبھی کسی معروفاً کرپٹ آدمی کو اپنے ساتھ شامل نہیں کروں گا۔ مجھے آپ سے مزید کچھ نہیں پوچھنا' یانگ امت برحرمت۔''

ہال تالیوں سے گونج رہا تھا اور وہ شخص بے نیازی سے مائیک کسی ورکر کو پکڑاتا اب سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ کیمروں کے فلیش چمک رہے تھے۔ تیز روشنیاں اس ایک آدمی کا احاطہ کیے ہوئے تھیں اور ایسے میں ڈائس پہ کھڑی صوفیہ رحمٰن کو احساس ہوا تھا کہ وہ دونوں بیک وقت ایک کیمرہ کے فریم میں کھڑے ہو کے ایک ہی طرح کے سوالات کے جواب دے چکے تھے اور یقیناً لوگ اب جوابات کا موازنہ کر رہے ہوں گے۔ اور ایسا صرف ایک موقع پہ ہوتا ہے۔

سیاسی debates میں۔

وہ یہاں اس سے جوابات لینے نہیں' اپنے الیکشن کی ڈی بیٹ کرنے آیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی صوفیہ رحمٰن نے فاتح رامزل کو پارٹی چیئرمین بنانے میں اپنا کردار ادا کردیا تھا۔ وہ صرف ہزیمت سے بچنے کے لئے اور اس کو لاجواب کرنے کے لئے اسے بولنے کا موقع دے بیٹھی تھی اور فاتح کی ٹیم اس کو بری طرح con کرکے جاچکی تھی۔

جس وقت تک صوفیہ کو یہ جان لیوا احساس ہوا' محفل ختم ہوچکی تھی اور مہمان ریفریشمنٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

گرینڈ ڈی بیٹ سے اگلے دن سیاسی سرگرمیوں سے تعطیل کا دن تھا۔ وہ خاموشی سے 'بڑے دن' کے انتظار کا دن تھا۔

وہ آرام کا دن تھا۔

ایڈم بن محمد صبح سویرے اٹھ کے اپنے باغیچے میں آیا تو گھاس پہ شبنم کے قطرے جگمگا رہے تھے۔ مرغی اور چوزے ڈربے میں بند تھے' مگر صبح صادق کے ساتھ ہی چوں چوں شروع کر دیتے تھے۔ وہ جمائی روکتا ان کے ڈربے تک آیا اور ایک ڈبے سے خوراک کی مٹھی بھر کے اندر پھینکی۔ پروں کی پھڑ پھڑاہٹ اور چوں چوں کا بند ہو جانا اس بات کا غماز تھا کہ مرغی اور چوزے ناشتے میں لگ چکے تھے۔

پھر وہ سست روی سے دروازے تک آیا جہاں رول شدہ اخبار گرا تھا۔ نم گھاس کے باعث وہ ذرا گیلا ہو چکا تھا۔ ایڈم نے اسے اٹھایا اور جمائی روکتے ہوئے اس کی تہہ کھولی۔

پہلے صفحے پہ لکھی شہ سرخی جگمگا رہی تھی۔

"The Hong Kong Papers"

اسے صرف یہ چار الفاظ نظر آئے اور اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ حیرت' خوشی' ایکسائٹمنٹ۔

وہ تیزی سے برآمدے میں آیا اور جلدی جلدی وہ اسٹوری پڑھنے لگا۔

سائمن فوسٹر کے نام سے تحریر کردہ وہ نیوز اسٹوری جو ایک مایہ ناز اخبار میں چھپی تھی' بتا رہی تھی کہ مصدقہ اطلاعات کے مطابق ان دس افراد کے نام کلائیڈ اینڈ لی کے کلائنٹس میں ہیں اور ان میں سرِ فہرست صوفیہ رحمٰن تھی۔

ایڈم کا چہرہ کھل اٹھا۔ مسکراہٹ اتنی گہری ہوئی کہ دانت دکھائی دینے لگے۔

صوفیہ رحمٰن نے کل ہی بانگِ دہل کسی بھی بیرونِ ملک جائیداد سے انکار کیا تھا اور اب.....اب اس کا جھوٹ پکڑا گیا تھا۔ اس نے یہ معلومات تالیہ کو بروقت دی تھیں اور تالیہ نے فاتح کو ہنٹ دیا تھا کہ جلد ہی ایسے انکشافات منظرِ عام پہ آئیں گے۔ ایڈم کو نہیں معلوم تھا کہ یہ آج کی اخبار میں چھپ جائیں گے کیونکہ سائمن نے اس دن کے بعد اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔

اور اب وہ اخبار کی زینت بنے تھے۔ وہ خوشی سے جھوم جھوم اٹھا۔ اس نے بالآخران کرپٹ حکمرانوں کو ایکسپوز کر دیا تھا۔ اس نے بالآخر عوام کے سامنے.....

اس نے؟ کس نے؟ ایڈم نے؟

ایک دم جیسے کسی نے اس کے چہرے پہ طمانچہ دے مارا تھا۔

وہ بالکل ٹھہر گیا اور دوبارہ سے پوری خبر پڑھی۔ پہلی دفعہ حیرت اور جوش سے پڑھی تھی۔

اب دھڑکتے دل اور متلاشی نظروں سے پڑھی۔

''سائمن فوسٹر کو کلائیڈ اینڈ لی کے ایک وسل بلور (مخبر) وکیل نے نام صیغہ راز میں رکھنے کی شرط پہ یہ اہم ای میلز فراہم کی ہیں۔

سائمن فوسٹر کی تحقیق کے مطابق.....

سائمن فوسٹر کی کئی مہینوں کی محنت کے بعد.....

سائمن فوسٹر نے ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی اپنی تفتیشی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔

سائمن فوسٹر بہت عرصے سے اس فرم کے پیچھے لگے تھے اور بالآخر وہ یہ راز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے....

سائمن فوسٹر کے تہلکہ خیز انکشافات.....

اخبار اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ وہ ٹکر ٹکر ان الفاظ کو دیکھ رہا تھا۔

وہاں کسی ایڈم بن محمد کا نام نہ تھا۔

کلائیڈ اینڈ لی کے وسل بلور (مخبر) وکیل اور سائمن فوسٹر کے درمیان سے ایڈم بن محمد کا نام مکھن سے بال کی طرح نکال دیا گیا تھا۔

ایک چھوٹے tabloid کا صحافی ایڈم بن محمد کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

دس اہم نام اور ان کی ای میلز اس نے بغیر کسی کانٹریکٹ یا ایگریمنٹ کے اس خوش اخلاق گورے صحافی کو دے دی تھیں اور اس نے اس معمولی سے ایڈم بن محمد کو درمیان سے بالکل غائب کر دیا تھا۔

وہ اس کی اسٹوری چرا کے لے گئے تھے۔

وہ بے یقین سا بیٹھا تھا اور اخبار گیلی گھاس پہ گرا بھیگتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

الیکشن کی صبح باریسن نیشنل کے ہیڈ آفس کے لئے ڈھیروں امیدیں، فکر اور تناؤ لئے طلوع ہوئی تھی۔

آفس کے فلور کی مرکزی لابی کے دائیں ہاتھ بنے آفسز وان فاتح کے حمایتوں کے تھے اور لابی کے دوسری جانب دور تک پھیلے کمروں میں حاکمی صاحب کا اسٹاف کیمپیئن پہ کام کرنے میں مصروف تھا۔

لابی دونوں 'ٹیموں' کے درمیان ایک no man's land کا کردار ادا کر رہی تھی اور جیسے جیسے الیکشن قریب آتا گیا، دونوں اطراف کے جوشیلے ورکرز میں تلخ کلامی اور بحث و مباحثہ معمول بن گیا تھا۔ اکثر کیفے میں لنچ کے اوقات میں اسٹافرز اور کارکنوں کی زبانی کلامی لڑائیوں کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔

البتہ الیکشن کے دن دونوں اطراف میں اتنا تناؤ اور پریشانی تھی کہ آج کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

لابی سنسان پڑی تھی اور دونوں فریقین اپنی اپنی طرف ہالز تک محدود تھے۔

بی این کی الیکشن کمیٹی کا آفس اوپر والے فلور پہ تھا جہاں ان کے اینالسٹ اور سپروائزرز ایک کنٹرول روم میں کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھے پولنگ کا جائزہ لے رہے تھے۔ بی این کے سارے ملک میں پھیلے رجسٹرڈ ممبرز اپنے موبائل فون سے ووٹ دے رہے تھے' اور اسکرینوں کے سامنے بیٹھے نیوٹرل ایمپائرز کو ہر ووٹ کا اندراج دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں سافٹ ویئر ایکسپرٹس اور انٹرنیٹ سیکیورٹی کنسلٹنٹ بھی موجود تھے جن کا مقصد بی این کی ویب سائٹ کی مسلسل حفاظت کرنا تھا تاکہ ووٹنگ کا عمل کسی بھی قسم کی ہیکنگ یا مداخلت سے پاک رہے اور رزلٹ ایمانداری سے تیار کیا جا سکے۔

واپس بی این کے مرکزی فلور پہ آؤ تو خاموش پڑی لابی کے دونوں اطراف بنے آفسز کے دروازے بند تھے۔ وان فاتح کے اسٹافرز اور مرکزی راہنما اس وقت کانفرنس ہال میں جمع تھے۔ وہاں گول میز کے علاوہ بھی درجنوں کرسیاں آگے پیچھے پڑی تھیں۔ کوئی بیٹھا تھا' کوئی چل پھر رہا تھا' کسی نے کافی اٹھا رکھی تھی۔ کوئی ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔ غرض اتنا شور اور رش تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

وہ خود بھی آج اپنی کیمپیئن کی آدھے آستین والی نیلی شرٹ میں ملبوس تھا اور بال ماتھے پہ بکھیر رکھے تھے۔ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا وہ مسکرا کے دو کارکنوں سے محوِ گفتگو تھا جو اسے پرسوں صوفیہ رحمٰن کے ساتھ کی گئی ڈی بیٹ پہ مبارکباد دے رہے تھے۔

جیسے کہ توقع کی گئی تھی' ڈی بیٹ کی ویڈیو وائرل ہو گئی تھی اور ووٹرز میں بہت پسند کی گئی تھی۔

ان سے بات کرتے ہوئے اس کی متلاشی نظریں کمرے میں دوڑ رہی تھیں اور پھر وہ اسے اس بھیڑ میں نظر آ ہی گئی۔ کونے میں ایک کرسی پہ بیٹھی وہ موبائل پہ بات کر رہی تھی۔ فاتح سے نظر ملی تو مسکرائی اور وکٹری کی دو انگلیاں بنا کے دکھائیں۔ یہ ایک طرح کی تسلی تھی کہ ہم جیت جائیں گے۔ ورنہ اندر سے وہ سب فکرمند اور بے چین تھے۔

فون پہ ایڈم تھا اور وہ دبے الفاظ میں اس کو تسلی دے رہی تھی۔

''تمہاری غلطی نہیں ہے' ایڈم۔ خود کو قصوروار نہ ٹھہراؤ۔ مجھے الیکشن سے فارغ ہونے دو' ہم اس سائمن فوسٹر سے نپٹ لیں گے۔ جو بھی ہے' اس خبر نے صوفیہ رحمٰن کو نقصان اور وان فاتح کو فائدہ پہنچایا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ' تم نے اپنا ووٹ کاسٹ کیا؟''

''جی' چے تالیہ۔'' وہ بوجھل دل سے بولا۔ ''میں نے صبح ہی کر دیا تھا۔''

''فاتح کے لئے نا؟''

''ظاہر ہے۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''اگر وہ حکومت میں ہوتے تو آج کوئی بھی میری خبریں چرا نہ سکتا۔ اور مجھے ان پہ پورا اعتماد ہے۔''

''گڈ۔'' وہ پورے دل سے مسکرائی اور پھر داتن کو فون ملایا۔ چھوٹتے ہی بے چینی سے پوچھنے لگی۔

''داتن پدوکا... تم نے ووٹ کاسٹ کیا؟''

''میں اس وقت مولٹن لاوا کیک کھا رہی ہوں۔ دیکھو ذرا' یہ مزیدار چاکلیٹ جو اندر سے ابل ابل کے باہر نکل رہی ہے' اس کا ذائقہ....''

''بات مت بدلو۔ یہ بتاؤ ووٹ کاسٹ کیا؟''

''جی نہیں۔ نہ مجھے کرنے کا شوق ہے۔'' اس نے ناک سکوڑا۔ تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''داتن....ایک اچھی اور ایماندار حکومت کے لئے تمہیں ووٹ کاسٹ کرنا ہوگا۔''

''ہاہا...'' وہ ہنسی۔ ''مگر مجھے تو ایماندار حکومت نہیں چاہیے' میڈم۔ میں تو چور ہوں۔ میں اسی حکومت کے ساتھ خوش ہوں۔ حالات جیسے ہیں' میں ویسے ہی حالات چاہتی ہوں۔''

''ہونہہ۔'' وہ فون رکھنے ہی لگی تھی جب داتن نے پوچھا۔

''تم نے خود ووٹ کاسٹ کیا تالیہ؟ خیر میں شرط لگا سکتی ہوں تم نے ابھی تک خود بھی ووٹ نہیں دیا۔''

یکدم کانفرنس روم کا سارا شور دم توڑ گیا۔ ساری آوازیں بند ہو گئیں۔ وہ اپنی خاموشی میں سن سی بیٹھی رہ گئی۔

''تمہیں کیسے پتہ؟'' آہستہ سے پوچھا۔

''کیونکہ میں تمہیں جانتی ہوں۔ تم اس سارے شور اور ہنگامے سے دور جا کے کچھ دیر سوچو گی' ایک سچے اور ایماندار ووٹر کی حیثیت سے اور جب تمہیں لگے گا کہ وان فاتح تمہارے ووٹ کا حقدار ہے' تب تم اس کو ووٹ دوں گی۔''

اس نے کال کاٹ دی اور فون پرس میں ڈال کے کھڑی ہوئی۔ اردگرد بیٹھے اور چلتے پھرتے لوگوں کے منہ ہل رہے تھے' مگر آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں تالیہ مراد ان کے درمیان سے گزرنے لگی۔ راستے میں فاتح نے اسے روکا۔ وہ مسکرا کے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''تم نے اپنا ووٹ کاسٹ کیا ہے نا؟''

وہ اس کے قریب رکی اور مسکرائی۔ پھر چہرہ آگے کو جھکائے دھیرے سے بولی۔

''تالیہ مراد عام ووٹر نہیں ہے جو آئیڈیلزم کا شکار ہوتا ہے اور اپنے لیڈرز کو فرشتہ اور مخالف کو شیطان سمجھتا ہے۔ تالیہ مراد سیاستدانوں کے ساتھ کام کرنے والی ایک لڑکی ہے جو دونوں امیدواروں کی کمزوریوں اور خوبیوں سے واقف ہے۔ میں ایک دنیا کو وان فاتح کو ووٹ دینے کے لئے مائل کرتی آئی ہوں کیونکہ وہ میری جاب تھی۔ لیکن میرا اپنا ووٹ بہت قیمتی ہے۔ وہ میری ذمہ داری ہے جس کے لئے میں خود کو جوابدہ ہوں۔ مجھے بہت سوچ سمجھ کے فیصلہ کرنا ہے کہ کیا آپ نے میرا ووٹ earn کیا ہے؟'' مسکرا کے کہتی وہ آگے بڑھ گئی اور وہ گردن موڑ کے تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ شور اور آوازوں کے درمیان شاید اسے تالیہ کی بات ٹھیک سے سمجھ نہیں آئی تھی۔

آفس سے نچلے فلور پہ مال بنا تھا۔ وہ کافی شاپ میں آئی اور اپنی کافی لئے درمیانی میز پہ جا بیٹھی۔ اس نے آج بھی فاتح کے لوگو والی شرٹ نہیں پہنی تھی۔ وہ سفید بلاؤز اور سیاہ اسکرٹ کے ساتھ سیاہ منی کوٹ میں ملبوس بالوں کو جوڑے میں لپیٹے' کسی بھی قسم کی سیاسی چھاپ سے پاک لگ رہی تھی۔

روسٹ شدہ کافی کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔ اس نے ا ایک گھونٹ بھی نہیں بھرا۔ وہ بس کافی گلاس کو دیکھے جا رہی تھی۔ بہت سے مناظر آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے........

وہ عصرہ کی دوست کی حیثیت سے اس سے متعارف ہوئی تھی اور اس نے پوچھا تھا' کہ تاشہ تمہاری زندگی میں کیا اچیومنٹس ہیں' تم کیا کرتی ہو؟ پھر اس نے تالیہ کو اپنی لائبریری میں چھپ چھپا کے جاتے دیکھا تو دونوں کے درمیان تلخی در آئی تھی۔ پھر فاتح نے اس پہ فائل چوری کا الزام لگا ڈالا تو یہ تلخی بے بسی بھرے غصے میں بدل گئی۔ مگر قدیم ملاکہ کے جنگل نے اس سب کو بدل دیا تھا۔ وہ مشکلوں کے ساتھی بن گئے۔ وہ اس کا استاذ اس کا لیڈر بن گیا۔ وہ آگے چلتا تھا اور راستہ دکھاتا تھا اور وہ پیچھے قدم اٹھاتی تھی۔ اس نے تالیہ مراد کو سچ بولنا سکھایا۔ اس نے تالیہ کو خوف سے آزاد ہونا سکھایا۔ فاتح نے اسے اپنے وعدے نبھانے' اور اپنے قول کو پورا کرنے کا.........سکھایا تھا۔ حاکمی نے اسے کیا سکھایا تھا؟

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور آس پاس کی میزوں پہ بیٹھے لوگوں کو ایک دم مخاطب کیا۔

"کیا آپ لوگوں نے آج بی این کے الیکشن میں ووٹ ڈالا ہے؟"

چند گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ سنہرے جوڑے والی خوبصورت لڑکی ان سے مخاطب تھی۔

"آپ میں سے کتنے لوگ بی این کے ممبرز ہیں؟" اس نے جواب نہ ملنے پہ مزید بلند آواز میں پوچھا۔ تین ہاتھ بلند ہوئے۔ باقی لوگ خاموش رہے۔ کچھ واپس پلٹ گئے۔

"مجھے معلوم ہے آپ میں سے بہت سے ممبرز ہیں مگر وہ ووٹ نہیں ڈالنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کو لگتا ہے کہ سارے سیاستدان ایک سے ہوتے ہیں۔ مجھے بھی یہی لگتا تھا۔" وہ میز کے پیچھے سے نکلی اور بولتے ہوئے قدم اٹھاتی کاؤنٹر تک آئی' پھر چہرہ میزوں کی طرف موڑا۔ کسی نے اسے پہچان لیا تھا اور سرگوشی کی تھی۔ (یہ وان فاتح کی کیمپئین مینیجر ہے۔) دیگر لوگ بس کافی پیتے اور اسنیکس کھاتے ہوئے اس کو خاموشی سے دیکھنے لگے تھے۔

"مگر سارے سیاستدان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ جیسے سارے ڈاکٹرز ایک جیسے نہیں ہوتے۔ آپ کو وان فاتح کی بہت سی باتوں پہ اعتراض ہوگا' میں جانتی ہوں مگر جب آپ کسی سرجن کے پاس آپریشن کے لئے جاتے ہیں تو کیا اس بات سے فرق پڑتا ہے کہ وہ سرجن اپنی ذاتی زندگی میں کیسا ہے؟ اس کی شادی' اس کے بچے کیسے ہیں؟ نہیں پڑتا نا؟ کیونکہ آپ کو سرجن کے پروفیشنل کام سے غرض ہوتی ہے۔"